بھارت کے ساتھ دو طرفہ تعلقات

روزنامہ جنگ کراچی

۲۸ دسمبر ۱۹۹۳ - ۴ جنوری ۱۹۹۴

پروفیسر خورشید احمد

profkhurshidahmad.com all rights reserved

28 DEC 1993

جنگ کراچی

بھارت کے ساتھ دو طرفہ تعلقات

سینیٹر پروفیسر خورشید احمد

☆ زیر نظر مضمون سینیٹر پروفیسر خورشید احمد کی سینٹ میں کی گئی تقریر کے خلاصے پر مبنی ہے جو "پاکستان بھارت اور عالم اسلام" کے عنوان سے انسٹیٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز کی زیر طبع ایک کتاب میں شامل ہے۔

سربراہی اجلاس اور ملکوں کے مابین مذاکرات بین الاقوامی سیاست میں خاص اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ جو قوموں کی زندگی میں بڑے اہم مواقع پر کئے جاتے ہیں۔ بھارت۔ پاکستان کے تعلقات کے حوالے سے پہلی سربراہی ملاقات اس وقت ہوئی تھی جب 1950ء میں بھارت نے اپنی فوجیں پاکستان کی سرحد پر لگا دی تھیں۔ پاکستان کے پہلے منتخب وزیر اعظم لیاقت علی خان دہلی تشریف لے گئے۔ انہوں نے وہاں بھارت کے پہلے منتخب وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو سے ملاقات کی اور یوں وہ نازک لمحہ ٹل گیا۔ اس کے بعد چین کے بھارت پر حملے کے تناظر میں بھارتی وزیر اعظم یہاں آئے

بین الاقوامی پالیسی کے اہم سیاسی۔ بین الاقوامی۔ عوامی اور فوجی تعلقات کے مواقع پر جمہوری ممالک کی روایات یہ ہیں کہ ایسی ملاقاتوں سے پہلے پارلیمنٹ سے مشورہ کیا جاتا ہے اور بعد میں اسے اعتماد میں لیا جاتا ہے۔ یہاں موجودہ وزیر اعظم صاحب کا سیاچن کے مسئلے پر جولائی 89ء ایک بیان The Way Out Benazir Bhutto کے صفحہ نمبر 212 اور 11 پر درج ہے:

"سب سے پہلے تو میں تمام نو منتخب اراکین کی سرد مہری کی طرف توجہ مبذول کرانا چاہتی ہوں جو انہوں نے ملک کے دفاع اور سلامتی کے مسئلے پر دکھائی ہے۔ یہ ایک معمول کی بات ہے کہ جب بھی سرحدوں پر کوئی کارروائی ہوتی ہے تو پارلیمنٹ کے ایوان اپنی آنکھیں اور کان بند نہیں کر لیتے بلکہ ان کا ہنگامی اجلاس وغیرہ طلب کر لیا جاتا ہے۔"

صبح و شام جمہوریت کا نام الاپنے والے بھول گئے کہ مطالبہ وہ پہلے کرتے رہے ہیں اس کے مطابق اس موقع پر پارلیمنٹ کو اعتماد میں لیا جانا چاہئے تھا۔ درحقیقت قومی اسمبلی اور سینٹ ہی وہ فورم ہیں جنہیں تمام معاملات اور خصوصیت سے اہم بین الاقوامی مسائل پر بروقت اعتماد میں لینا۔ اور ان سے مشورہ کرنا چاہئے۔ بلکہ زیادہ صحیح تو یہ ہے کہ ہم ملک میں جماعتی سیاست سے بالاتر خارجہ پالیسی کی روایات قائم کرنے کی کوشش کریں اور محض پارٹی کی بنیاد پر کام کرنے کی بجائے پوری قوم۔ ایوان اور تمام پارٹیوں کو اعتماد میں لیں۔

شاید پاکستان کی تاریخ میں برسر اقتدار حکومت کی پوزیشن اتنی نازک اور اتنی کمزور کبھی نہیں تھی جتنی آج اس وقت ہے۔ اس کی پارلیمنٹ میں بھی سادہ اکثریت نہیں۔ ان حالات میں اس بات کی ازبس ضرورت ہے کہ اصولی۔ اور نظریاتی نہیں بلکہ عملی سیاست کی بنیاد پر حکومت جماعتی وابستگی سے بالاتر اندرونی اختلافات سے قطع نظر کم از کم متفقہ خارجہ پالیسی اختیار کرے۔

ایک وقت تھا جب مرحوم ذوالفقار علی بھٹو بھارت سے ایک ہزار سال لڑنے کا عزم ظاہر کیا کرتے تھے۔ انہوں نے ہی اپنی حکومت کے ابتدائی دنوں جولائی 1972ء میں شملہ معاہدہ کیا اور پانچ سال پیپلز پارٹی کی حکومت رہی۔ (شملہ معاہدہ کے تین سال بعد ہندوستان سے سفارتی تعلقات بحال ہوئے) لیکن ان کے اپنے بقیہ پانچ سالہ دور میں اصل مسئلہ یعنی مسئلہ کشمیر جس کے بارے میں پاکستانی قوم ایک لمحے کے لئے بھی سمجھوتہ کرنے کا تصور نہیں کر سکتی۔ خواہ اس کے لئے اسے ہزاروں سال لڑائی لڑنی پڑے۔ تقریباً [illegible]

شملہ معاہدہ اور کشمیر

شملہ معاہدے کی منظوری کے موقع پر بھارتی وزیر اعظم کی تقریر کے چند نکات ہمارے پیش نظر رہنا چاہئیں جس سے ہمارے ذہن میں وہ سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ جن کے جواب ہم ابھی تک تلاش کر رہے ہیں اندرا گاندھی یکم اگست 1973ء کو لوک سبھا میں اپنی تقریر میں فرماتی ہیں۔

"شملہ معاہدہ کی رو سے بھارت نئے آنے والے مسائل کا سامنا کرنے کی زیادہ بہتر پوزیشن میں ہے۔ اس معاہدے سے بھارت مستقبل کا سامنا زیادہ بہتر طریقے سے کر سکے گا۔ حقیقت میں میں یہ کہوں گی کہ معاہدۂ شملہ آن داخلی اور بین الاقوامی پالیسیوں کو آگے بڑھانے کے لئے ہے جن پر بھارت تمام سالوں میں عمل پیرا رہا ہے۔"

یہ بیان قابل غور ہے۔ 1970ء میں بھارت نے مشرقی پاکستان کو الگ کرنے کے لئے اپنی خصوصی جارحانہ سفارتی پالیسی کا آغاز کیا۔ اور فوجی مداخلت کے ذریعے مشرقی پاکستان کو ہم سے جدا کر دیا۔ یہ چیز ریکارڈ پر موجود ہے کہ بھارت کی حکومت نے پاکستان اور عالمی طاقتوں کو تحریری طور پر یقین دہانی کرائی تھی کہ وہ مشرقی پاکستان میں فوجی مداخلت نہیں کرے گا۔ لیکن اپنی اس یقین دہانی کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اس نے مداخلت کا ارتکاب کیا۔ یہ وہ پس منظر تھا جس کے بارے میں انہوں نے کہا کہ۔

"حقیقت میں میں یہ کہوں گی کہ شملہ معاہدہ آن داخلی اور بین الاقوامی پالیسیوں کو آگے بڑھانے کے لئے ہے جن پر بھارت تمام سالوں میں عمل پیرا رہا ہے۔"

"میں نہیں جانتی کہ ہم دوسرے مرحلے میں مزید آگے جا سکیں گے لیکن مجھے یہ معلوم ہے کہ آغاز کر دیا گیا ہے۔ جہاں سے واپسی مشکل ہے۔ اگر کوئی تکلیف دہ واقعہ ظہور پذیر ہوتا ہے جیسا کہ میں نے دوسرے ایوان۔ لوک سبھا اور دیگر جگہوں پر کہا ہے کہ اگر جنگ چھڑتی ہے تو ہم اس کے لئے تیار ہیں۔ تب ہم یہ نہیں کہہ سکتے "نہیں" ہم نے امن کو قبول کیا ہے اس لئے ہم حملے کے لئے تیار نہیں ہیں۔"

اس کے بعد وہ فرماتی ہیں:

"پاکستان میں ایک بڑی تبدیلی آئی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ پاکستان اس کا خواہشمند نہ ہو

(جاری ہے)

IPS IN THE PRESS

29 DEC 1993

روزنامہ جنگ کراچی

بھارت کے ساتھ دوطرفہ تعلقات

پروفیسر خورشید احمد

دوسری قسط

لیکن اس نے اس کا فیصلہ کیا ہو یا نہ کیا ہو، تبدیلی آچکی ہے۔ وہ اسے نظر انداز نہیں کر سکتے۔ یہ تبدیلی جنم لے چکی ہے۔ صدر بھٹو نے خود تسلیم کیا ہے کہ وہ بھارت کے ساتھ محاذ آرائی کی پالیسی کے خالق تھے، اور اب خود اعتراف کرتے ہیں کہ صورت حال آج تبدیل ہو چکی ہے اور وقت کی ضرورت امن ہے۔ یوں حالات تبدیل ہو چکے ہیں۔ حزب اختلاف کے کچھ ارکان نے میری اور سردار سورن سنگھ کی اس وجہ سے خبر لی کہ ہم قطعی وثوق سے یہ نہیں کہہ سکتے ہیں کہ جنگ نہیں ہوگی، لیکن ہم یہ جانتے ہیں کہ صدر بھٹو ایک مختلف قسم کے آدمی ہیں۔ میں رجائی ہوں۔ ہم جانتے ہیں کہ صدر بھٹو ایک مختلف قسم کے آدمی ہیں۔"

اندرا گاندھی کی اس تقریر سے شملہ معاہدے کا حقیقی متن ہمارے سامنے آجاتا ہے۔

بھارت کا ایک معروف صحافی سعد یپ نیر جس کے بھارتی اداروں سے بڑے قریبی تعلقات ہیں، لکھتے ہیں کہ شملہ معاہدے کا ایک غیر تحریری حصہ بھی ہے جس میں یہ کہا گیا ہے کہ کشمیر کے معاملے میں کنٹرول لائن کو بتدریج سرحد تسلیم کر لیا جائے گا۔ معروف پاکستانی صحافی اور کالم نگار عبدالقادر حسن نے اسی زمانے میں معاہدے کے غیر تحریری حصہ کا حوالہ دیا جس کے مطابق کشمیر کی کنٹرول لائن ہی کو بطور بین الاقوامی سرحد تسلیم کر لیا جائے گا۔ اگرچہ ان خبروں کی تصدیق کا ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے تاہم بھارتی اور پاکستانی صحافیوں کے یہ دونوں بیانات بھٹو صاحب کے دور اقتدار میں سامنے آئے تھے۔

شملہ معاہدے کے بعد سے ہم دیکھتے ہیں کہ کشمیر کے مسئلے کو اس زمانے کی حکومت نے اپنے پانچ سالہ دور میں بین الاقوامی پلیٹ فارم پر اٹھانے سے احتراز کیا حالانکہ معاہدۂ شملہ بین الاقوامی اسٹیج پر کشمیر کے مسئلے کو اٹھانے کی راہ میں مانع نہیں اور دلچسپ بات یہ ہے کہ خود اندرا گاندھی اس بات کا راجیہ سبھا کی ایک تقریر میں اعتراف کرتی ہیں۔ وہ کہتی ہیں۔

"میں اب اقوام متحدہ کے دھندے میں نہیں پڑنا چاہتی۔ اور مجھے اس کی پروا نہیں کہ وہ (پاکستان) اقوام متحدہ میں جاتے ہیں یا نہیں جاتے۔ مجھے اپنے بارے میں اعتماد ہے اور ہم جو بھی وفد وہاں بھیجیں۔ اس کے بارے میں اعتماد ہے۔ اگر پاکستان اقوام متحدہ میں جاتا ہے تو ہم ان سے وہاں نمٹ لیں گے۔ ہم ان کے بارے میں وہاں کسی مسئلے پر بحث کرنے سے خوفزدہ نہیں ہیں۔ وہ اگر جنگ کرنا چاہتے ہیں تو ٹھیک ہے ہم جنگ کرنا نہیں چاہتے۔ میں کہتی ہوں ہمیں ہر طریقے سے کوشش کرنی چاہئے کہ جنگ نہ ہو لیکن اگر وہ حملہ کریں تو ہم بھی اس کے لئے تیار ہیں۔ میں اس سے خوفزدہ نہیں ہوں۔"

گویا اندرا گاندھی نے صاف الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ بین الاقوامی پلیٹ فارم پر بھی پاکستان جا سکتا ہے لیکن پاکستان (1977ء تک) نہیں گیا۔ اگر یہ بات صحیح نہیں ہے تو حقائق کو سامنے لایا جائے اور بتایا جائے کہ فلاں تاریخ اور فلاں پلیٹ فارم پر مسئلہ کشمیر کو اٹھایا گیا ہے البتہ اس کے بعد کے دور میں جو موجودہ حکومت کے حلق میں ہڈی کی طرح اٹک گئے ہیں، کشمیر کے مسئلے کو ہر بین الاقوامی پلیٹ فارم پر اٹھایا گیا ہے۔ ان میں اقوام متحدہ، غیر جانبدار کانفرنس، غیر جانبدار ممالک کی سربراہ کانفرنس، آئی ایل او، جنیوا، پیرس، واشنگٹن حتیٰ کہ ہرارے کے بین الاقوامی اجلاس میں بھی یہ مسئلہ اٹھایا گیا۔ کشمیر کا مسئلہ ہمارے لئے بنیادی مسئلہ ہے اور اگر بھارتی دورے اس مسئلے کو ختم کرنے کے لئے ہیں تو یہ قوم اسے کبھی قبول نہیں کر سکتی۔

شملہ معاہدہ کے بعد

ان تمام حالات کا بالترتیب مطالعہ کریں تو بائیس سالوں میں یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ بھارت شملہ معاہدے کے بعد دوسرے مرحلے کے لئے ہرگز تیار نہیں۔ اس کا اصل مقصد یہ تھا کہ پاکستان کو ہمہ گیر کوششوں سے روک دے۔ ان میں بین الاقوامی سطح پر سرگرمیاں اور عالمی رائے عامہ کو اپنے حق میں ہموار کرنے اور اسے بھارت پر سیاسی دباؤ ڈالنے کے لئے تیار کرنے کے اقدامات بھی شامل تھے اور اس کے ساتھ وہ ہمیں اپنی قوت بڑھانے سے بھی روکنا چاہتا تھا، تاکہ ہم سفارتی طریقے سے جائز حق نہ ملنے کی صورت میں اسے اپنے زور بازو سے بھی حاصل نہ کر سکیں۔ بھارت نے ہر ہر قدم پر معاہدۂ شملہ کی خلاف ورزی کی، اس نے سرحدی کنٹرول لائن کو تسلیم کرنے کے بعد اسے چیلنج کیا ہے۔ ہمارا موقف یہ ہے کہ شملہ معاہدہ ہو یا نہ ہو، پاکستان کے دفاعی مفادات کا تحفظ ہماری ذمہ داری ہے۔ پاکستانی قوم پیٹ پر پتھر تو باندھ لے گی لیکن اپنے مفادات پر کبھی کوئی سودا نہیں کرے گی۔

شملہ معاہدے کے بعد ایک اہم تبدیلی نے جنم لیا، کچھ دل بدلنا شروع ہو گئے، بھارت کے بارے میں زبان مختلف ہو گئی، پاکستان کے لئے دفاعی معاملات کو اٹھانا اور اس کے لئے بین الاقوامی اور ملکی سطح پر کام کرنا مشکل ہو گیا۔ آزاد کشمیر کو پاکستان میں ضم کرنے اور اس کے صدر کو گرفتار اور معطل کرنے کی کوششیں کی گئیں۔ کوشش کی گئی کہ کسی طرح ایک اٹل حقیقت (Fait accompli) کے طور پر صرف آزاد کشمیر پاکستان کا حصہ بن جائے اور مقبوضہ کشمیر کے معاملات کو بھول جایا جائے۔ اس کے بعد [illegible] کا ایک طوفان پھر سے ابھرا جب بھارت نے اس وقت برسراقتدار، بھٹو فیملی کی تعریف شروع کی۔ اس کا اندازہ "انڈیا ٹوڈے" میں محترمہ نصرت بھٹو کے پہلے انٹرویو سے لگایا جا سکتا ہے جو انہوں نے پاکستان سے رخصت ہونے کے بعد پیرس میں دیا۔

Pakistan may break-up

(پاکستان ٹوٹ سکتا ہے۔) کے عنوان سے 15 جنوری 1983ء کو شائع ہونے والے اس انٹرویو کے دو تین اقتباسات ملاحظہ ہوں:

"ملک کے اندر اور ملک سے باہر بہت سے ہمدرد اور خیر خواہ تھے اور ضیاء کے نام مسز گاندھی کا خط تھا۔ وہ واحد سربراہ مملکت تھیں جنہوں نے برسرعام کہا کہ مجھے بہتر طبی سہولتوں کے حصول کے لئے بیرون ملک جانے کی اجازت ملنی چاہئے۔"

اس کے بعد سوال کیا جاتا ہے۔ (کیا بھٹو ناقابل اصلاح حد تک ہندوستان کا مخالف تھا اور وہ ہندوستانی عظمت سے نفرت کرتا تھا؟)

محترمہ نصرت بھٹو جواب دیتی ہیں۔ "اس کے برعکس وہ بھارت کے ساتھ پائیدار دوستی کے خواہشمند تھے، وہ چاہتے تھے کہ پاکستان اور بھارت امن پر یقین کر لیں۔ وگرنہ وہ شملہ نہ جاتے اور نہ ہی معاہدے کو ایک کامیابی سے تعبیر کیا جاتا۔ وہ بھارت کے مداح تھے۔"

اس کے بعد وہ سوال پوچھتے ہیں کہ۔ "جب آپ نے سنا کہ مسز گاندھی نے جنرل ضیاء سے آپ کو بیرون ملک علاج کے لئے اجازت دینے کی درخواست کی ہے تو آپ کا ردعمل کیا تھا؟"

جواب: (مجھے خوشی نہیں ہوئی۔ میں نے سوچا کہ بھارتی کتنے خوش قسمت ہیں۔ ان کے پاس نہ صرف ایک جمہوری ذہن رکھنے والا رہنما ہے بلکہ ایک نظام بھی۔ میں نے کراچی سے انہیں خط لکھا۔ آپ کا شکریہ)

اس طرح دلوں کے بدلنے کے ساتھ ساتھ ملکوں کی قسمتیں بھی بدلنے لگیں۔

1984ء میں بھارت نے پاکستان میں فوجی بغاوت کرانے کی کوشش کی۔ بھارت سے پیسہ آیا، پاکستانی فوجی اور سیاسی مہرے بھی استعمال ہوئے۔ مقدمہ چلا، لیکن اس کے بعد اس خاندان کے لوگ بھارت جا کر ان کے مہمان بنے، ان سے دوستیاں استوار کیں اور عہد و پیماں کئے کہ الذوالفقار کے لوگوں کو، جنہوں نے جہاز اغوا کیا تھا، بھارت نے پناہ دی۔ پاکستان کے احتجاج پر بھارت نے اس کی تردید کی تو پاکستان نے بھارت کو ناقابل تردید ثبوت فراہم کیا۔ اس ضمن میں جنرل عارف کا بیان ریکارڈ پر موجود ہے۔

"بھارت نے پی آئی اے کا جہاز اغوا کرنے والوں سے اعلیٰ سطحی روابط رکھ کر، انہیں اپنا مہمان بنا کر سفری سہولت دے کر اپنے بین الاقوامی وعدے کی خلاف ورزی اور بین الاقوامی دہشت گردی کی حوصلہ افزائی کی۔ جب پاکستان نے ناقابل تردید ثبوت پیش کئے تو بھارتی حکومت نے انہیں سفری سہولت فراہم کرنے کا اعتراف کر لیا۔"

دوسری جانب پاکستان میں انتخابات کے موقع پر بھارت کے اخبارات اور ریڈیو اور ٹی وی نشریات کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا جیسے یہ انتخابات پاکستان کی پارٹیوں کے درمیان نہیں بلکہ بھارت اور پاکستان کے درمیان مقابلہ ہو رہا ہے۔

اس پس منظر میں ہمیں یہ امید دلائی جاتی ہے کہ بھارت سیاچین کے مسئلے پر بات کرنے کو تیار ہے اس کے ساتھ ساتھ بھارتی ذرائع ابلاغ اور دانشوروں نے ایک مہم کے تحت کہا کہ بھارت کو بے نظیر حکومت کو تقویت پہنچانے کیلئے پاکستان کی امداد کرنا چاہئے۔

(جاری ہے)

IPS IN THE PRESS

30 DEC 1993

روزنامہ جنگ کراچی

بھارت کے ساتھ دو طرفہ تعلقات

سینیٹر پروفیسر خورشید احمد

تیسری قسط

نہایت اہم مسائل سے صرف نظر کر کے چند ترجیحی مسائل مثلاً سیاچین پر گفتگو کرنی چاہئے۔ سیاچین میں بھارت کو بہت بھاری قیمت ادا کرنا پڑ رہی ہے۔ وہاں فوجی نقصانات کی رفتار بہت زیادہ ہے۔ ان کے تقریباً ایک سو سے زائد تربیت یافتہ افراد ہر سال وہاں مر رہے ہیں۔ اس بناء پر ان کے خیال میں اگر وہ پاکستان کے ساتھ سیاچین پر کوئی معاہدہ کرلیں تو یہ ان کیلئے ایک اچھی ابتدا بن سکتی ہے۔ یہ رعایات کی اصطلاح ان کی ہے۔ جبکہ ہمارا موقف یہ ہے کہ یہ تمام علاقہ پاکستان کا ہے جس پر بھارت نے شملہ معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے قبضہ کر رکھا ہے۔

اس پس منظر 1979ء میں ہمارے وزیر دفاع سے میٹنگ کے بعد بھارتی سیکرٹری خارجہ کی موجودگی میں پاکستانی سیکرٹری خارجہ نے اعلان کیا کہ بھارت اور پاکستان نے اتفاق کیا ہے کہ سیاچین کے علاقے میں دونوں اطراف کی افواج شملہ معاہدے سے پہلے کے مقامات پر واپس چلی جائیں گی۔ بھارتی سیکرٹری خارجہ نے اس موقع پر تو اس کی تردید نہیں کی، لیکن دہلی پہنچ کر اس کی طرف سے تردیدی بیان آگیا۔

سندھو دیش کے قیام کیلئے بھارت نے کچھ عرصہ قبل ایمن آباد کے مقام پر کانفرنس کی ہے جس میں 4 سو افراد نے شرکت کی، اور سندھو دیش کے قیام کیلئے کام کرنے والے سندھی ہندوؤں کی تنظیم ورلڈ سندھ کانگریس کے وفد نے بھارتی وزیراعظم سے ملاقات کی۔ اس سے پہلے ان کی کانفرنس کا افتتاح دہلی میں اندرا گاندھی کر چکی ہے۔ ان سارے حقائق سے صرف نظر کر کے بھارت اور پاکستان کے معاملات کا سامنا کرنا صحیح نہیں ہوگا۔

بھارتی عزائم ...... ہمیں تھوڑا وقت یہ متعین کرنے کے لئے صرف کرنا پڑے گا کہ پاکستان کے بارے میں بھارت کے پالیسی مقاصد کیا ہیں۔ حکومت کو چاہئے کہ وہ معروضی تجزیے کے ذریعے بھارت کے قول اور فعل میں تضاد کا جائزہ لے۔ جواہر لال نہرو نے پاکستان بننے کے بعد اپنے متعدد بیانات میں پاکستان کی بنیاد دو قومی نظریے کو احمقانہ قرار دیا۔ ان کے تمام پالیسی تجزیہ نگار بین الاقوامی قوانین کے مطابق یہ لکھتے ہیں کہ برطانوی اقتدار کی جانشین قوت صرف بھارت ہے۔ جبکہ پاکستان دستبردار ہونے والی طاقت (Receding Power) ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تین جون کے پلان کے تحت پاکستان اور ہندوستان دونوں جانشین قوتیں ہیں۔ ہم نے اس ورثے اور اقتدار اعلیٰ کو، جو ہم سے چھینا گیا تھا دوبارہ پایا ہے لیکن بھارتی تجزیہ نگار، ماہرین قانون اور بین الاقوامی قوانین پر لکھنے والوں نے اپنے ملک میں ہی نہیں بلکہ اپنے ملک کے باہر، اقوام متحدہ تک میں متذکرہ دعوے کو دہرایا۔

پنڈت جواہر لال نہرو نے خارجہ پالیسی بیان کرتے ہوئے اپنی حکومت کا موقف واضح کیا کہ وہ عمومی طور پر کانگریس کا انداز نظر اپنائے گی۔ جس کا مطلب فرقہ وارانہ تعصب اور فرقہ واریت کے سامنے ہتھیار نہ ڈالنا ہے۔ اس کا اشارہ واضح طور پر پاکستان کی جانب ہے۔ کانگریس کی ورکنگ کمیٹی نے 14 جون 1947ء کو خارجہ پالیسی کے سلسلے میں جو قرارداد پاس کی اس کے الفاظ کے مطابق:

"بھارت کے جغرافیہ، پہاڑ اور سمندر کی تشکیل اور صورت کو کوئی انسانی ارادہ تبدیل نہیں کر سکتا اور نہ ہی اس کے آخری مقدر کی راہ میں حائل ہو سکتا ہے۔ اقتصادی حالات اور بین الاقوامی معاملات کے تقاضے ہندوستان کے اتحاد کو اور ضروری کر دیتے ہیں۔ آل انڈیا کانگریس کمیٹی سنجیدگی سے یہ یقین رکھتی ہے کہ جب موجودہ جذباتی ہیجان بیٹھ جائے گا تو ہندوستان کے مسائل صحیح تناظر میں دیکھے جائیں گے اور ہندوستان میں دو قوموں کا باطل نظریہ مسترد اور غیر معتبر قرار پائے گا"۔

یوں دو قومی نظریہ جس پر پاکستان مبنی ہے، ہمارے اور ان کے درمیان اصل وجہ نزاع ہے اُس وقت کے کانگریس کے صدر مسٹر اچاریہ نے کہا۔

"ہمیں اب اپنی تمام توانائیاں اپنی اس سرزمین کو متحد کرنے کیلئے وقف کر دینی چاہئیں"۔

پٹیل نے یہ کہا کہ:

"آج تقسیم ہند ایک طے شدہ حقیقت ہے تاہم یہ ایک غیر فطری حقیقت ہے۔ تقسیم سے ہندوستان کے جسد سیاست سے زہر نکل جائے گا، اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ علیحدہ ہونے والے علاقوں میں باقیماندہ ہندوستان سے پھر آملنے کی خواہش پیدا ہوگی، ہندوستان ایک ہے اور ناقابل تقسیم ہے"۔

اسی طرح کے بیسیوں حوالے پیش کئے جا سکتے ہیں۔

اسی بنیاد پر لندن اکانومسٹ نے 17 مئی 1947ء کو اپنے اداریے میں یہ بات لکھی تھی کہ کانگریس موجودہ منصوبے پر بھی تقسیم ہند پر اس امید سے عمل کرے گی کہ بالآخر ہندوستان کا اتحاد دوبارہ عمل میں آجائے گا۔

یو ایس باجپائی کی مرتب کردہ اہم دستاویز "انڈیا سیکورٹی" پر توجہ مرکوز کرنے کی ضرورت ہے جسے بین الاقوامی امور کے ماہرین، خارجہ پالیسی کے مشیروں اور سابق خارجہ سیکرٹریوں نے مل کر مرتب کیا۔ اس میں انہوں نے بھارت کے آئندہ بیس سالوں کے دوران پالیسی کا خاکہ مرتب کیا ہے۔ جسے 1983ء میں شائع کیا گیا۔ اگر ہم پچھلے چھ سات سال کا جائزہ لیں تو ہمیں صاف نظر آتا ہے کہ اس دستاویز میں تجویز کردہ باتوں پر عمل ہوا ہے۔ اس میں بھارت سے سیاسی اور عسکری قوت کو بڑھانے کو اولین اہمیت دینے کیلئے کہا گیا ہے۔ دستاویز کے مطابق اس قسم کی قوت کے ذریعے ہی بھارت ایک مؤثر خارجی پالیسی اختیار کر سکتا ہے۔ اس میں بھارت کے دفاع کیلئے بحریہ کو ترقی دینے کی ترجیح کی بات بھی کہی گئی ہے۔ اس کے مطابق بھارت کے مدنظر صرف بحرہند کا ہی دفاع نہیں ہے بلکہ اسے ماریشس سے لیکر فجی تک کے تمام علاقے کے بارے میں متفکر ہونا چاہئے۔ دستاویز میں صاف الفاظ میں یہ لکھا ہے کہ بھارت اور پاکستان کا اصل جھگڑا دو قومی نظریہ ہے۔ ہمارے دفتر خارجہ کو اسے اہمیت دینی چاہئے۔

"اگر ہمیں پاکستان کے ساتھ کوئی بامعنی معاہدہ کرنا ہے تو ہمیں سب سے پہلے اس قسم کے معاہدے کی بنیادی شرائط کا تعین کرنا ہوگا۔ بھارت کے ساتھ معاملات کے ضمن میں پاکستان کی پالیسی کے دو اجزاء امریکہ کے ساتھ اس کے تعلقات اور دو قومی نظریہ ہے"۔

اس رپورٹ میں کم از کم ایک درجن مقامات پر پاکستان کو بنیاد پرست کہا گیا ہے۔ پاکستان کا مسلمان ہونا، اس کا دو قومی نظریہ، کشمیر کو اس دو قومی نظریے کی بنیاد پر مسلم انڈیا کا حصہ نہ سمجھنا اور پاکستان کا اس کے اوپر استحقاق جتانا، بھارت اور پاکستان کے درمیان اصل وجہ نزاع ہیں۔ جس کی موجودگی میں پاکستان سے کوئی بامقصد معاہدہ اور دوستی نہیں ہو سکتی۔ دستاویز میں بار بار دوستی اور امن کی شرط یہ رکھی گئی ہے کہ پاکستان کمزور ہو اور وہ اپنے آپ کو بھارت کے مساوی نہ سمجھے۔ دو قومی نظریے کے بعد سے بھارت کا عمل اور رویہ یہ رہا ہے کہ پاکستان یا کوئی بھی ملک اس علاقے میں بھارت کی برابری کا رویہ اختیار نہ کرے۔

میں نے بھارت میں شائع ہونے والے مضامین اور خاص طور سے مشرقی پاکستان پر حملہ اور بنگلہ دیش بننے کے بعد سو سوا سو سے زیادہ جو کتابیں شائع ہوئی ہیں ان کے بارے میں تحقیق کی ہے جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ بھارت کا شروع ہی سے مقصد یہ تھا کہ پاکستان کو دو حصوں میں کاٹ دیا جائے۔ اس لئے کہ وہ پاکستان کے دو بازوؤں کو بھارت کیلئے خطرہ اور ان سے مقابلہ کرنا مشکل تصور کرتے تھے۔ اس کے علاوہ بھارت کی پاکستان میں علاقائی عصبیتوں کو ابھارنے اور اس کے اندرونی معاملات کے بارے میں اس کے رویئے کو مدنظر رکھا جائے تو ان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے پیش نظر دو قومی نظریئے کا خاتمہ اور پاکستان میں لادین یا سوشلسٹ حکومت کا قیام ہے۔ اس کے نزدیک نظریاتی سرحدوں کے خاتمے سے ہی اس کے ساتھ دوستی قائم ہو سکتی ہے۔ اس کے ساتھ وہ یہ چاہتا ہے کہ پاکستان معاشی، اخلاقی، سیاسی اور فوجی اعتبار سے اپنے دفاع کا اہل نہ ہو، وہ مالدیپ کی طرح اتنا کمزور ہو کہ بھارت سے فوجیں منگوائے۔ اسے پاکستان سے دراصل شکایت ہی یہ ہے کہ پاکستان نے اس سے مساوی ہو کر اور خود مختاری کو ایک حقیقت سمجھ کر بات کی ہے۔ جس سے اس کا علاقے میں سپر پاور بننے کا خواب چکنا چور ہو جاتا ہے۔

پنڈت نہرو نے اپنی کتاب Discovery of India میں جو انہوں نے 1945ء میں جیل میں لکھی، صاف کہا ہے کہ

"ہندوستان کی حیثیت اور مقام ہی ایسا ہے کہ وہ دنیا میں دوسرے درجے کا کردار ادا نہیں کر سکتا، یا تو بہت اہم کردار یا کچھ بھی نہیں۔ درمیانی پوزیشن اس کے لئے کوئی کشش نہیں رکھتی، اور نہ ہی میرے خیال میں ایسی کوئی پوزیشن قابل عمل بھی ہے۔"

پہلی ایشیائی کانفرنس میں مجھے ایک طالب علم کی حیثیت سے شرکت کرنے کا موقع ملا تھا مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ پنڈت نہرو نے وہاں یہ الفاظ استعمال کئے تھے۔

"ایشیا اور دنیا کے مستقبل میں اہم کردار ہندوستان کے لئے مقدر ہے۔"

اس بناء پر بھارت نے کبھی اپنے آپ کو محض اس علاقے کا ایک ملک نہیں سمجھا اس نے پاکستان کو ہمیشہ اپنا حریف گردانا، اس نے چین سمیت ہر اس ملک کو جس سے اسے خدشہ تھا چیلنج کیا، چین کو جب اس نے ایک طاقت کی حیثیت سے ابھرتے دیکھا تو اسے لڑائی میں الجھا دیا۔

میکس ویل کی کتاب India-China War میں ناقابل تردید شواہد کی بنیاد پر یہ بات ثابت کی گئی ہے کہ اس جنگ کی منصوبہ بندی خود بھارت نے کی اور اسی نے اس کا آغاز کیا۔ اس کا مقصد غیر جانبدار ممالک اور اس علاقے میں چین کی ابھرتی ہوئی حیثیت کو ناکام کرنا تھا، اس کے ساتھ وہ اس بہانے امریکہ سے دوستی کے دروازے کھولنا اور اس سے خاص قسم کا اسلحہ حاصل کرنا چاہتا تھا۔

ڈاکٹر پانیکا انڈیا کی خارجہ پالیسی کا فلاسفر اور متعدد کتابوں کا مصنف ہے۔ اس کی کئی کتابوں مثلاً India and World Affairs، اور India and Indian Ocean میں بالکل یہ بات کہی گئی ہے کہ بھارت اس علاقے کی علاقائی طاقت ہے اور جب تک علاقائی طاقت کی حیثیت سے وہ اپنا مقام حاصل نہیں کر لیتا یعنی تیسری بڑی عالمی طاقت نہیں بن جاتا، اس وقت تک اس کی خارجہ پالیسی کامیاب نہیں ہوگی۔ پانیکا کے الفاظ ہیں،

"جب تک سنگاپور، ماریشس، عدن، پچھوترا جیسے دور دراز کے مقامات مضبوطی سے قابو نہیں کئے جاتے اور جب تک ان کی معقول حفاظت کے لئے بحریہ کو ترقی نہیں دی جاتی، بھارت کو سلامتی یا حفاظت میسر نہیں آئے گی۔"

گویا بھارت کی سلامتی کے لئے انہیں ساری دنیا کو اپنے قبضے میں کرنا ضروری ہے۔ یوں جو سامراجی ذہن برطانیہ کا تھا، اسی سامراجی ذہن کا حامل بھارت ہے۔

خارجہ پالیسی کا ایک اور ماہر ڈاکٹر ایس آر پٹیل جس کی شناخت ہی بھارت کی خارجہ پالیسی کا موضوع سمجھتا ہے۔

"جغرافیہ ایک نہایت ہی اہم پہلو ہے۔ بھارت کا اپنے زمینی یا سمندری حدود سے قریبی علاقوں کے ساتھ خصوصی مفاد وابستہ ہے۔ اس وجہ سے بھارت کے لئے نیپال، پاکستان، افغانستان، چین، برما، ملائیشیا، انڈونیشیا اور سری لنکا بڑی اہمیت کے حامل ہیں"

اس لئے بھارت کو اپنے دروازوں سنگاپور اور سوئز کو کنٹرول کرنا چاہئے۔ ان کلیدی مقامات پر مخالف طاقتوں کا قبضہ رہے تو بھارت کا وجود اور آزادی خطرے میں رہے گا افغانستان ایک طویل عرصہ تک بھارت کا حصہ رہا ہے۔ (یہاں لفظ افغانستان استعمال ہوا ہے لیکن افغانستان بھارت کا حصہ ہو ہی نہیں سکتا جب تک کہ پاکستان بھارت کا حصہ نہ ہو جائے) جدید دور میں تیل کی ضروریات کے پیش نظر ایران بھارت کیلئے نہایت اہم ہے۔

(جاری ہے)

03 JAN 1994

روزنامہ جنگ کراچی

بھارت کے ساتھ دوطرفہ تعلقات

سینیٹر پروفیسر خورشید احمد

چوتھی قسط

اس علاقے میں تیل کی ضروریات اسے پھر سے عرب خطے سے وابستہ کرتی ہیں موجودہ وقت میں عراق کا تیل بھارت کو عراق کے قریب لے آیا ہے۔

اور یہ جملہ بہت اہم ہے

"برطانیہ کے جانے سے پیدا ہونے والے طاقت کے خلا کو پر کرنے کی ضرورت ہے بھارت کو چاہئے کہ وہ مستقبل کی ایک بڑی طاقت کی حیثیت سے سنگاپور سے سوئز تک بحر ہند کو اپنی جھیل بنالے۔"

یہی وہ ذہن ہے جس کی نشاندہی 1983ء کی دستاویز سے ہوتی ہے یہی ذہن پنڈت نہرو کی اندرا گاندھی کی تقاریر میں جھلکتا ہے۔ مشرقی پاکستان کے سقوط کے بعد مسلمانوں سے ایک ہزار سال کا بدلہ لینے کی بات کہی گئی اس کے الفاظ تھے۔ "آج ہم نے دو قومی نظریئے کو دفن کردیا۔"

یہ وہ ذہن تھا اور یہی وہ ذہن ہے جو اب بھی بھارتی قیادت عملاً استعمال کر رہی ہے۔ دفتر خارجہ حقائق سے منہ نہ موڑے کچھ عرصہ قبل ہی "ایک بڑی طاقت کا احیاء" کے عنوان سے ٹائمز میگزین میں چھپنے والے مضمون کے مندرجات پر غور کرے اس مضمون میں دراصل امریکی، آسٹریلوی، بھارتی اور یورپی سوچ کی عکاسی کی گئی ہے اس میں ان سب کا مشترکہ نکتہ یہ ہے کہ بھارت کو اس علاقے کی سپر پاور تسلیم کیا جائے۔ وہ ایک سپر طاقت ہے اس کے پاس فوج، اسلحہ اور اقتصادی قوت ہے یوں وہ اس علاقے میں اگر پولیس مین کا کردار انجام دینا چاہے تو امریکہ کو اپنے آپ کو اس سے ہم آہنگ کرنا چاہئے۔

یہی بات کچھ عرصہ قبل امریکہ کے اسسٹنٹ انڈر سیکرٹری برائے مملکت اور تین چار حرید پروفیسروں نے کہی ہے۔ لیکن کا وہ بیان بھی سامنے رہنا چاہئے جس میں اس نے بھارت کے سری لنکا میں اپنی فوجیں بھیجنے کے بارے میں کہا تھا کہ بھارت نے اس علاقے میں اپنا کردار ادا کیا ہے۔ مالدیپ میں جب بھارت نے فوجیں بھیجی ہیں تو بھی امریکہ نے اسے یہی اہمیت دی۔ یوں اس پورے علاقے میں بھارت کی بالادستی کو ثابت کروانے، منوانے اور مضبوط کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ بھارت کی اعلیٰ ٹیکنالوجی کے ذریعے مدد کرنے کی بات بھی کی جارہی ہے تاکہ وہ اس علاقے میں اپنے اس رول کو ادا کرسکے۔

بھارت کی فوجی تیاریاں - دوسری جنگ عظیم کے بعد دنیا میں صرف دو ملک بھارت اور اسرائیل ایسے ہیں جنہوں نے قوت اور فوج کا استعمال کرکے اپنی حدود کو وسیع کیا۔ تقسیم ہند کے فوراً بعد جوناگڑھ، مناوادر، حیدر آباد اور کشمیر پر فوج کشی کی گئی بھوپال کا گلہ گھونٹنے کے ساتھ گوا پر قبضہ کیا گیا سکم کو ہضم کیا گیا۔ سری لنکا اور فجی میں بھی فوجیں بھیجی گئیں۔ یہ ساری کی ساری چیزیں، بالکل اسی طرح ہیں جس طرح کہ اسرائیل نے 1948ء سے لے کر آج تک برہنہ طاقت استعمال کرکے اپنی سرحدوں کو بڑھایا ہے۔ بھارت کے توسیع پسندانہ عزائم کو نظر انداز کرکے بنائی گئی خارجہ پالیسی پاکستان کے لئے سخت نقصان دہ ہوگی۔

بھارت نے اپنی دو تہائی آبادی کو بھوکا رکھ کر اپنی فوجی قوت میں بے پناہ اضافہ کیا ہے جبکہ ہمیں وہ غربت کے بارے میں درس دیتا ہے۔ بھارت سب سے پہلے اپنی فوجی قوت کو بڑھاکر 71-1970ء کے مقام پر لے آیا جہاں پاکستان سے تین سے پانچ گنا زیادہ فوجی قوت اس کو حاصل ہوگئی۔ اس کے بعد اس نے ایٹمی قوت اور بحریہ پر اپنی پوری توجہ مبذول کی۔ 1960ء سے اس وقت تک بھارتی بحریہ میں پانچ گنا سے زیادہ اضافہ ہوچکا ہے۔ ہمارے اور بھارتی بحریہ کے درمیان اس وقت ایک اور اکیس سے زائد کا فرق ہے۔ یہ کام ایک خاص منصوبے کے تحت کیا گیا ہے جہاں تک ایٹمی پالیسی کا تعلق ہے ہم اس بارے میں انکسار کرتے ہوئے شرماتے اور دوسروں کی ناراضگی سے ڈرتے ہیں۔ یہاں پنڈت جواہر لال نہرو کے بیان کا حوالہ بے جانہ ہوگا جو انہوں نے اٹامک انرجی کمیشن کے چیئرمین کے طور پر دیا تھا۔

"ہمیں اٹامک ٹیکنالوجی میں بہر صورت مہارت حاصل کرنی چاہئے ہم یہ ٹیکنالوجی پرامن مقاصد کیلئے استعمال کرنا چاہتے ہیں لیکن بحیثیت قوم اگر ہمیں اسے کبھی دوسرے مقاصد پر استعمال کرنے کیلئے مجبور کیا گیا تو مجھے یقین ہے کہ ہم میں سے کوئی بھی اس کے استعمال کی مخالفت نہیں کرے گا۔" آگے فرماتے ہیں

"مجھے توقع ہے کہ بھارت کے سائنس دان "ایٹمی توانائی کو تعمیری مقاصد کیلئے پورے طور پر بروئے کار لائیں گے لیکن اس کے ساتھ ساتھ میں یہ بھی واضح کردینا چاہتا ہوں کہ اگر کبھی بھارت کی سلامتی کو خطرہ لاحق ہوا تو وہ اس کے دفاع کیلئے دیگر ممکنہ وسائل کی طرح اس قوت سے بھی بھرپور فائدہ اٹھائے گا اور ایٹم بم بنائے گا۔"

بھارت کے اٹامک انرجی کمیشن کے چیئرمین نے جس کا نام "انڈین بم مین" رکھا گیا تھا صاف الفاظ میں یہ بات کہی ہے کہ ہمیں یہ بم بنانا چاہئے اور بم بنانے کے سوا ہمارے لئے کوئی اور راستہ نہیں ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔ "ایٹم بم بنانے کی مخالفت صرف وہی لوگ کریں گے جو چاہتے ہیں کہ بھارت، روس یا چین کے تسلط میں چلا جائے۔"

بھارت ایٹمی توانائی اور بحریہ کے ساتھ ساتھ درمیانی اور لمبی مار کے میزائل بنانے پر بھی توجہ مرکوز کئے ہوئے ہے اس نے اگنی کا کامیاب تجربہ کیا ہے اس نے یہ بات متعدد بار کھل کر کی ہے کہ ہمیں اس کے ساتھ دوستی کیلئے اس کی بالادستی تسلیم کرنا ہوگی کشمیر اور ایٹمی توانائی سے دستکش ہونا ہوگا۔ اس صورت میں امن ہی امن ہے اور اسی صورت میں تجارتی اور ثقافتی ہر قسم کے روابط استوار ہوسکتے ہیں۔

پاکستان کسی بھی ملک سے معاملات طے کرتے ہوئے غیر مساوی حیثیت تسلیم نہیں کرسکتا۔ بھارت کی بالادستی اس علاقے میں ہمیں نہ قبول تھی، نہ ہے اور نہ کبھی ہوگی اور یہی ہماری خارجہ پالیسی کی بنیاد ہونی چاہئے۔ ہم دوستی چاہتے ہیں لیکن یہ دوستی عزت اور وقار، خود مختاری اور تاریخی، دینی، نظریاتی اور سیاسی مقام کے تحفظ کے اصول پر مبنی ہونی چاہئے۔ اگرچہ ہم بہت سی خرابیوں کے باعث اپنا تاریخی کردار ادا نہیں کرسکے۔ لیکن ہمارا ماضی بڑا شاندار ہے اور ہم ہمت ہارنے والے لوگ نہیں ہیں۔ ہم اپنی نظریئے کی بنیادوں کو ثقافت اور تجارت کے نام پر کمزور ہونے کی ہرگز اجازت نہیں دے سکتے۔

دس بنیادی اصول - آخر میں ان دس بنیادی معاملات کا حوالہ دوں گا، جن میں یقین دہانی کی بنیاد پر ہی بھارت کے ساتھ دوستی کی بات آگے بڑھ سکتی ہے۔

دو قومی نظریہ - دو قومی نظریہ ہماری بنیاد ہے جس کا ہمیں تحفظ کرنا ہے۔ اسلامی تشخص، اسلامی ثقافت اور اسلامی کلچر کو فروغ دینا ہے کسی مشترکہ کلچر کو نہیں۔ ہمارا اور ہندوؤں کا تمدن بالکل ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ وہ بت پرست ہیں ہم توحید پرست ہیں۔ کسی بھی پہلو سے دیکھ لیجئے، پرکھ لیجئے، ہم ان سے جدا ہیں۔ ان سے مختلف ہیں۔ ہم لڑکر بھارت سے الگ ہوئے ہیں، ہم ایک نہیں ہوسکتے۔

یہاں راجیو گاندھی صاحب کی وہ تقریر قابل توجہ ہے جو انہوں نے پاکستان میں اپنے اعزاز میں 1989ء میں ضیافت کے موقع پر کی ہے اس نے یہاں آکر ہمارے منہ پر طمانچہ مارا اور کہا کہ ہماری تاریخ اور ہمارا کلچر ایک ہے اور ہمارے درمیان کسی نوعیت کا کوئی فرق نہیں ہے اس کی یہ باتیں پاکستان کے بنیادی تصور کے بالکل منافی ہیں۔ قائداعظم نے متعدد بار واشگاف الفاظ میں کہا تھا کہ ہندو اور مسلمانوں کا مذہب، کلچر، تعلیم، ثقافت، زبان ہر چیز ایک دوسرے سے الگ ہے۔ ہم نے ہندوؤں کے ساتھ ایک ہزار سال رہ کر ان کی ذہنیت کو سمجھا ہے اور ہم نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ ہم اور وہ ایک ساتھ نہیں رہ سکتے۔ قائداعظم کے الفاظ تھے۔ "ہم مسلمان اور ہندو ہر چیز میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ ہمارا مذہب، تہذیب، ثقافت، تاریخ، زبان، فن تعمیر، موسیقی، علم قانون، معاشرہ اور ہمارا لباس ایک دوسرے سے ہر لحاظ سے مختلف ہے ہم اس تضاد میں اکٹھے نہیں رہ سکتے۔"

راجیو گاندھی نے اس موقع پر کہا وہ چار سال کے تھے جب پاکستان بنا ہے جبکہ آپ (بینظیر صاحبہ) تو پیدا بھی نہیں ہوئی تھیں۔ اس لئے آپ کو کیا پتہ کہ پاکستان بننے کیلئے کیا کچھ ہوا ہے؟ لیکن پاکستان میں ابھی ان لوگوں کی کمی نہیں ہے جنہوں نے اپنی آنکھوں سے ہندوؤں کے مظالم دیکھے ہیں۔ ایسی ٹرینیں دیکھی ہیں جن میں لاشوں کے سوا کچھ نہیں تھا۔ ہمیں پتہ ہے کہ پاکستان کس قیمت پر بنا ہے اور اگر پاکستان نہ بنتا تو مسلمانوں کا کیا حشر ہوتا۔

مسئلہ کشمیر - دوسری بنیادی بات مسئلہ کشمیر ہے۔ جسے حل کئے بغیر بھارت سے دوستی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لیاقت علی خان کو بھی، اسی چکر میں ڈالنے کی کوشش کی گئی تھی۔ لیاقت علی خان نے 14 فروری 1950ء کو پنڈت نہرو کو لکھا کہ "آپ جنگ نہ کرنے کے معاہدہ" کی بات کرتے ہیں ہم اس کیلئے تیار ہیں لیکن اس کے ساتھ آپ کو ان مسائل کا اعتراف کرنا ہوگا جو ہمارے درمیان حل طلب ہیں اور ان کے حل کیلئے ایک ٹائم ٹیبل کا تعین کرنا ہوگا اور اس کے ساتھ یہ بھی کہ مدت مقررہ کے اندر اگر ہمارے درمیان اتفاق رائے نہ ہوسکا تو ہم ثالثی کے ذریعے اپنے مسائل کو طے کریں گے۔ اس دائرہ کار میں اگر بھارت تیار ہے تو ہم جنگ نہ کرنے کے معاہدے کیلئے تیار ہیں۔" لیاقت علی خان نے جس صاف اور کھلے انداز میں بھارت کی عیارانہ چال کو ناکام بنایا پاکستان کے دفتر خارجہ کو اس پر غور کرنا چاہئے وہ کہتے ہیں۔ "پاکستان بنیادی مقاصد کے مشترکہ اعلامیہ کے اجراء کی تجویز کا خیر مقدم کرتا ہے جس کا مقصد بھارت اور پاکستان کے علاوہ پوری دنیا کو یہ یقین دلانا ہے کہ دونوں حکومتیں تنازعات کے حل کیلئے جنگ سے اجتناب کریں گی۔" بڑی اچھی بات ہے۔

"اس مقصد کے حصول کیلئے یہ ضروری ہے کہ اعلان کی روح کے مطابق ٹھوس اقدامات بھی اختیار کئے جائیں کیونکہ مسائل اور حکومتیں محض باتوں کی بہ نسبت عملی اقدامات کے ذریعے پرکھی جاتی ہیں۔ میری حکومت کی نظر میں واضح طریقہ کار ایک طے شدہ ٹائم ٹیبل کی صورت میں ہونا چاہئے دونوں حکومتیں پابند ہوں کہ اس کے اندر اپنے تنازعات کے حتمی پرامن حل تک پہنچیں مثال کے طور پر ہم کئی مہینوں کے عرصے کا تعین کرسکتے ہیں۔" وغیرہ وغیرہ اور اس کے بعد کہتے ہیں۔ "اگر وہ اس عرصے میں کسی کارروائی میں ناکام رہیں تو مسئلہ خود بخود کسی طے شدہ طریقے کے مطابق ثالثی کیلئے پیش ہوگا۔"

یہ وہ فراست اور طریقہ تھا جس سے آپ ایک ہندو سے معاملہ کرسکتے ہیں لیکن اگر آپ قدم بہ قدم ڈپلومیسی سے معاملات طے کرنے کا معاہدہ کر آتے ہیں اور پھر دونوں طرف سے غفلت اور لاپروائی کا شکار ہوجاتے ہیں تو یہ معاملات حل کرنے کا طریقہ نہیں ہے۔

کشمیر کے بغیر پاکستان نامکمل ہے۔ کشمیر کے معاملے میں ہماری خاموشی قومی غداری کے مترادف ہے۔ آج جموں و کشمیر میں وہاں کے مسلمان جدوجہد آزادی میں مصروف ہیں وہ اپنے خون کا نذرانہ پیش کر رہے ہیں قربانیاں دے رہے ہیں جیلوں میں جارہے ہیں لیکن ہم ان کی حمایت میں آواز تک اٹھانے کی جرأت نہیں کرتے۔ دسمبر 1989ء میں راجیو گاندھی ہمارے منہ پر کہہ گیا کہ کشمیر کا مسئلہ کوئی مسئلہ نہیں ہے اور اس وقت ہم سے ایک جملہ ادا نہ ہوسکا۔ پھر اس نے ہمارے منہ پر طمانچہ مارا اور یہ کہا کہ رائے شماری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور شملہ معاہدہ کے بعد اس سے پہلے کئے گئے سارے معاہدے منسوخ ہوگئے۔

(جاری ہے)

IPS IN THE PRESS

04 JAN 1994

روزنامہ جنگ کراچی

بھارت کے ساتھ دوطرفہ تعلقات

سینیٹر پروفیسر خورشید احمد

پانچویں اور آخری قسط

اور ہم صرف اتنا ہی کہہ پائے کہ نہیں. آپ کی رائے اور ہے. ہماری رائے اور ہے ہم سے یہ نہ کہا گیا رائے شماری ہی اس کے حل کا واحد راستہ ہے۔

عدم مداخلت۔ بھارت کو پاکستان کے فوجی معاملات میں مداخلت کا کوئی حق نہیں ہے ہم بھارت سے اجازت لے کر اپنی ایئر فورس. بحریہ اور فوج کو منظم نہیں کریں گے۔ بھارت کا معاملہ یہ ہے کہ وہ ایک طرف تو غیر جانبدار تحریک (NAM) کا ممبر اور غیر جانبدار ملک ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ اس تحریک کے بنیادی اصول دوسرے ملکوں کے معاملات میں مداخلت سے منع کرتے ہیں لیکن وہ امریکہ سے پاکستان کے معاملات میں مداخلت کیلئے کہتا ہے پاکستان کو میزائل بنانے سے روکنے اور ایٹمی ٹیکنالوجی کے حصول سے باز رکھنے کیلئے کہتا ہے۔ بھارت کو اس قسم کی باتوں کا اختیار حاصل نہیں ہے ہم ایک خود مختار ملک ہونے کی حیثیت سے دیکھیں گے کہ ہمارے لئے کیا صحیح اور کیا غلط ہے۔

ڈیٹرنٹ پالیسی۔ پاکستان کو لازماً ڈیٹرنٹ پالیسی اختیار کرنی چاہئے ہماری بقا، آزادی اور خود مختاری کا انحصار مناسب ڈیٹرنٹ پالیسی کو پروان چڑھانے پر ہے۔ اگر یہ ہم نہ کر سکے تو تاریخ ہمیں معاف نہیں کرے گی اور وہ قومیں جو اپنے اندر قوت پیدا نہ کر سکیں وہ تاریخ کے اندر زندہ نہیں رہا کرتیں۔ یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے کہ بین الاقوامی تعلقات میں بات چیت کرنے سے پہلے ہی اپنے سارے کارڈ میز پر ڈال دیئے جائیں اور امریکہ کو قسمیں کھا کھا کر اور ناک رگڑ رگڑ کر یہ یقین دہانی کرائی جائے کہ ہم کوئی بم نہیں بنا رہے اور ایٹمی ٹیکنالوجی کو ڈیٹرنٹ میں استعمال نہیں کر رہے۔

کچھ عرصہ قبل انگلستان میں وزیر اعظم نے (اپنے پہلے دور میں) بیان دیا تھا کہ پاکستان اور بھارت کو تخفیف اسلحہ کی بات چیت کرنی چاہئے کیونکہ سپر پاورز بھی یہ باتیں کر رہی ہیں۔ سپر پاورز تو یہ بات اس لئے کر رہی ہیں کہ ان کے پاس اسلحہ کے بہت بڑے ذخائر ہیں۔ ان کے پاس جس قدر ایٹمی بم ہیں ان سے وہ دنیا کو پچاس مرتبہ تباہ کر سکتی ہیں اس قوت کے بعد وہ تخفیف اسلحہ کی بات کر رہی ہیں۔ تخفیف اسلحہ کے معنی ایک خاص صورتحال کو برقرار رکھنا ہوتا ہے۔ آج فوجی اعتبار سے ہندوستان کو بالادستی حاصل ہے۔ ہمارے لئے واحد راستہ یہ ہے کہ ہم وہ طریقہ اختیار کریں جس سے ہم بہترین ڈیٹرنٹ کو پروان چڑھا سکیں اور یہی بہترین فوجی اور نظریاتی پالیسی ہے اس میں ہمیں لازماً ایٹمی ٹیکنالوجی کو اس مقام تک لے جانا ہے جہاں بھارت یا دنیا کی کوئی دوسری طاقت پاکستان پر دست درازی کی جرأت نہ کر سکے۔ اس طرح ہم باقی رہ سکتے ہیں۔

اب بھارت کیمیائی ہتھیاروں میں بھی اس مقام تک پہنچ گیا ہے کہ وہ انہیں دنیا کے دوسرے ممالک کو برآمد کر رہا ہے۔ ابھی ایک جرمن کمپنی کے ذریعے اس نے ایران میں یہ کیمیکل بھیجے ہیں۔ کیمیائی اور ایٹمی جنگ کے خلاف ہونے کے باوجود بھی ایٹمی. کیمیائی اور نظریاتی ڈیٹر نس (deterrance) کے بغیر پاکستان اپنی آزادی کا تحفظ نہیں کر سکتا۔ یہ ہمارا حق ہے اور امریکہ. بھارت یا دنیا کے کسی ملک کو ہمیں یہ بتانے کا حق نہیں ہے کہ ہم ایٹمی ٹیکنالوجی کو آگے نہیں بڑھا سکتے۔ امریکہ اس میدان میں اپنی اجارہ داری برقرار رکھنا چاہتا ہے۔ دوسری جانب جنوبی افریقہ اور برازیل کی ایٹمی ٹیکنالوجی پر کوئی اعتراض نہیں کیا جاتا. بلکہ انہیں ان کی مدد کی جاتی ہے ایک رپورٹ کے مطابق اسرائیل نے دو سو ایٹم بم تیار کئے ہیں جبکہ وہ اب ہائیڈروجن بم بنا رہا ہے خود بھارت ہائیڈروجن بم بنانے کی طرف جا رہا ہے جبکہ ہم سے اسے ترک کرنے کیلئے کہا جاتا ہے بلکہ یہ یقین دہانی بھی حاصل کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے کہ نہ ہم نے بم بنایا ہے نہ ہمارے پاس ہے اور نہ ہم بنائیں گے۔

پاکستان کو یہ کہنا چاہئے کہ کسی کو ہمیں یہ بتانے کی. کہ کس حد تک اپنی ٹیکنالوجی کو بڑھائیں کوئی حق نہیں ہے ہمارا مقصد پرامن ہے اور اگر ہمیں اپنے دفاع کیلئے ضرورت ہوگی تو ہم ضرور بنائیں گے. ضرور بنائیں گے اور ضرور بنائیں گے۔

سرحدی حملے۔ پاکستان کی سرحدوں میں بیرونی مداخلت میں سرفہرست سیاچن کا مسئلہ ہے کہ بھارت نے شملہ معاہدے کے بعد دھوکہ دیکر اور ہماری غفلت سے فائدہ اٹھا کر ہمارے اہم حربی اور فوجی اہمیت کے علاقے پر قبضہ کر لیا ہماری فوجوں نے اس کی اس جارحیت کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ اسے مان نہیں لیا. قربانیاں دیں اور کچھ علاقہ واپس لیا اور کچھ نئی چوکیاں قائم کیں۔ اس معاملے میں ہمارے فوجی جوانوں نے جو قربانیاں دی ہیں ان میں سے کچھ کے خطوط اور شہید ہونے والوں کی وصیتیں پڑھ کر ایمان تازہ ہو جاتا ہے آج بھی الحمد للہ ہمارے ایسے نوجوان ہیں جو اللہ اس کے دین اور ملک کی خاطر اپنے سے کئی گنا قوت سے لڑنے اور اسے نیچا دکھانے کیلئے تیار ہیں بلاشبہ سیاچن کے مسئلہ پر بات چیت ہونی چاہئے لیکن واضح رہنا چاہئے کہ سیاچن کی ایک منفرد نوعیت ہونے کے باوجود اس کا حتمی تعلق کشمیر کے مسئلہ سے ہے در حقیقت یہ کشمیر کے مسئلہ کا ہی ایک حصہ ہے۔

سندھ میں مداخلت۔ سندھ میں بھارت کی مداخلت کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔ بھارت نے مشرقی پاکستان کیلئے بھی ایک منصوبہ بنایا تھا جس کے مطابق 1949 - 50ء سے ہندو پروفیسروں. کلکتہ کے دانشوروں اور اخبارات نے مشرقی پاکستان کے مختلف عناصر کو متحرک کیا اور نتیجتاً ہمیں سقوط مشرقی پاکستان کے المیہ سے دو چار ہونا پڑا۔ اگر ہماری اس وقت کی حکومتیں صحیح رویّہ اور انصاف کی پالیسی اختیار کرتیں 1970ء کے انتخابات کو مان لیا جاتا اور جس پارٹی کو اکثریتی ووٹ ملے تھے اسے اقتدار منتقل کر دیا جاتا تو شاید یہ المیہ وقوع پذیر نہ ہوتا۔

یہی کھیل اب بھارت سندھ میں کھیل رہا ہے مرحوم محمد خان جونیجو کو داد دینی چاہئے کہ پنجاب کے سوال پر راجیو کے اعتراضات پر انہوں نے اسے بتایا کہ پاکستان کے پاس جنوبی بھارت میں راجستھان کے 37 ایسے مراکز کے فوٹو اور اطلاعات ہیں جہاں بھارت کمانڈوز اور تخریب کار تیار کر کے سندھ میں بھیج رہا ہے یہ تب کی بات تھی جبکہ بعد میں ہمارا حال یہ ہے کہ ہمارے سیکرٹری اور وزرائے خارجہ معاہدہ کرتے ہیں کہ سندھ اور پنجاب کی سرحدوں پر مشترکہ گشت ہوگا۔ سندھ اور پنجاب کی سرحدیں تقریباً برابر ہیں لیکن پنجاب کیلئے 8 چوکیاں اور سندھ کیلئے صرف دو چوکیاں ہم نے مانی ہیں، کیا ہماری ٹیم کو یہ پتہ نہیں تھا کہ تخریب کار کہاں سے آتے رہے ہیں کم از کم برابری کی ہی بات منوالی جاتی۔

بھارت کے مسلمان۔ بھارت کے مسلمان پاکستان کی تحریک کا ایک نہایت اہم حصہ ہیں ہمیں جمہوریت کا درس دیا جاتا ہے اور بتایا جاتا ہے کہ بھارت دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت ہے لیکن ہم یہ بھول جاتے ہیں کہ جمہوریت میں اچھوتوں اور 15 کروڑ سے زائد مسلمانوں کو جینے کا کوئی حق نہیں ہے یہ 15 کروڑ مسلمان آج بھی کل آبادی کا 14 فیصد بنتے ہیں لیکن ملازمتوں میں تناسب صرف 2 فیصد ہے۔ ان کی مسجدیں محفوظ نہیں ہیں بابری مسجد کو تباہ کر کے اس کی جگہ رام جنم بھومی بنائی جا رہی ہے بھارت کی پارلیمینٹ میں وزارت داخلہ کی طرف سے بنائے گئے اعداد و شمار کے مطابق بھارت میں ساڑھے آٹھ ہزار نسلی فسادات. جنہیں مسلم کش فسادات کہنا زیادہ صحیح ہے ہوئے ہیں۔

لیاقت. نہرو معاہدے میں دیگر مسائل کے ساتھ پاکستان اور بھارت میں اقلیتوں کے تحفظ کی ضمانت دی گئی ہے اور ان کی حفاظت کی ذمہ داری حکومتوں پر عائد کی گئی تھی مسلمان دنیا میں جہاں بھی ہوں ان کے ساتھ ظلم کی صورت میں ہم آواز اٹھائیں گے۔ کیا وجہ ہے روس میں یہودیوں کو ملک سے باہر نکلنے کی اجازت نہ ملنے پر ساری دنیا کے یہودی شور مچاتے رہے ہیں اور امریکہ کی حکومت. روس کے ساتھ تجارت کو یہودیوں کے بیرون ملک جانے کی اجازت کے ساتھ مشروط کرتی ہے۔ بھارت کے مسلمان ہمارا حصہ ہیں ہم نے برصغیر میں ان کے ساتھ قیام پاکستان کے لئے مشترکہ جدوجہد کی ہے ان کا حق ہے کہ ان پر ظلم ہو تو ہم ظلم کرنے والوں کے خلاف ان کی جدوجہد میں ان کا ساتھ دیں۔

بھارت کی بالادستی۔ اس علاقے میں بھارت کا ڈرانے. دھمکانے اور چوہدراہٹ کے کردار کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا یہ پاکستان کی خارجہ پالیسی کا بنیادی مقصد ہونا چاہئے کہ ہم اس علاقے کے پورے ممالک سے اپنے تعلقات اور معاملات کو ان خطوط پر استوار کریں کہ بھارت ان علاقوں پر ظلم نہ کرے۔ بنگلہ دیش کے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے اس کا ہم سب کو بخوبی علم ہے فرخابیراج کے ذریعے وہاں سیلاب اور قحط کی مصنوعی صورتحال پیدا کی جا رہی ہے یہ ایک سازش ہے جس کے تحت وہ بنگلہ دیش کے شہریوں کو ہر وقت دبائے رکھنا چاہتا ہے اور جب یہ کافی نہیں ہوا تو بھارت نے چٹاگانگ کے پہاڑی علاقوں میں اپنے کمانڈوز اور تخریب کار بھیجے نیپال کا ہندوستان کے ساتھ راہداری اور تجارت کا ایک معاہدہ تھا ہر طرف سے گھرے ہوئے ملک کی حیثیت سے نیپال کو بین الاقوامی قانون کے تحت راہداری کا حق حاصل ہے اس کو روکا نہیں جا سکتا لیکن بھارت تجارت اور راہداری کو ساتھ ملاتا رہا ہے جس کیلئے نیپال تیار نہیں ہوا تو جواب میں بھارت نے ان کی خوراک. دوائیں اور تیل روک دیا بھارت اور نیپال کا مقابلہ ہی مضحکہ خیز ہے۔

سری لنکا میں بھارت نے 1983ء سے تامل باغیوں کو تربیت دینا شروع کر رکھی تھی مدارس میں اس کیلئے تربیتی کیمپ بنائے گئے وہاں سے برابر لوگوں کو بھیجا گیا۔ اندرا گاندھی کے زمانے میں بننے والے منصوبے کو راجیو گاندھی کے زمانے میں آگے بڑھایا گیا سری لنکا نے اس پر بھارت سے اور بین الاقوامی سطح پر احتجاج کیا. خود پاکستان نے اس پر احتجاج کیا جب حالات مزید خراب ہوئے تو اس نے اپنے جہاز بھیج دیئے جب کوئی اور چارہ کار نہ رہا تو سری لنکا نے فوجیں منگوائیں ان فوجوں کے ساتھ یہ معاہدہ ہوا کہ وہ سری لنکا کی حکومت کے کہنے پر واپس چلی جائیں گی اور وہ آٹھ دن کے اندر اندر خطے میں امن قائم کر دیں گی لیکن وہ سری لنکا کے مطالبے کے باوجود وہاں سے جانے کیلئے تیار نہیں تھیں۔

بھارت سے اس کا ہمسائیوں کے ساتھ رویہ درست ہوئے بغیر معاملات نہیں ہو سکتے اسے اپنا رویہ درست کرنا پڑے گا اور اگر وہ اپنے رویئے اور طور اطوار کی اصلاح نہیں کرتا اور وہ اس علاقے کا چوہدری بنتا ہے تو پھر ہماری اس سے کوئی دوستی نہیں ہو سکتی۔

پاکستان دشمن مہم پر معافی۔ بھارت نے ماضی میں پاکستان کے خلاف جو مہم چلائی خصوصیت سے اس نے جس طرح سے "الذوالفقار" کو پیسہ اور دوسرے ذرائع سے مدد دی اور تحفظ فراہم کیا اس پر اسے پاکستان سے اعلانیہ معافی مانگنی چاہئے اور یہ یقین دہانی کرانی چاہئے کہ وہ آئندہ اس قسم کی کوئی حرکت نہیں کرے گا۔

ترجیحات کا تعین۔ آخری بات یہ ہے کہ بھارت اور پاکستان سے تعلقات استوار کرنے میں ایک ترتیب ہونی چاہئے اور وہ ترتیب یہ ہو کہ جب تک ہمارے درمیان سنگین مسائل حل نہیں ہو جاتے ہم کوئی پیش قدمی نہیں کریں گے۔ بھارت چاہتا ہے کہ کشمیر کا مسئلہ زیر بحث نہ آئے اور دیگر مسائل پر بات چیت کے نتیجہ میں اسے کشمیر میں اپنے عزائم کی تکمیل کیلئے زیادہ سے زیادہ وقت مل جائے وہ مذاکرات کیلئے اسی وجہ سے تیار ہوا ہے کہ اس طرح اسے وقت مل رہا ہے ہمیں اس صورتحال کو سمجھ کر حکمت عملی اختیار کرنی چاہئے ہمیں یقین رکھنا چاہئے کہ جب تک کشمیر کا مسئلہ کشمیریوں کی خواہش کے مطابق اقوام متحدہ کی قرار دادوں کی روشنی میں حل نہیں ہو جاتا بھارت کے ساتھ ہمارے کوئی بھی مذاکرات بے معنی ہیں —

02 JAN 1994

روزنامہ تعمیر اسلام آباد

بھارت کے ساتھ دوطرفہ تعلقات

سربراہی اجلاس اور ملکوں کے مابین مذاکرات بین الاقوامی سیاست میں ایک خاص اہمیت کے حامل ہوتے ہیں جو قوموں کی زندگی میں بڑے اہم مواقع پر کئے جاتے ہیں۔ ہندوستان اور پاکستان کے تعلقات کے حوالے سے پہلی سربراہی ملاقات اس وقت ہوئی تھی جب 1950ء میں ہندوستان نے اپنی فوجیں پاکستان کے بارڈر پر لگادی تھیں۔ پاکستان کے پہلے منتخب وزیراعظم لیاقت علی خان دہلی تشریف لے گئے۔ انہوں نے وہاں ہندوستان کے پہلے منتخب وزیراعظم پنڈت جواہر لال نہرو سے ملاقات کی اور یوں وہ بحران ٹل گیا۔ اس کے بعد چین کے ہندوستان پر حملے کے تناظر میں ہندوستان کے وزیراعظم یہاں آئے۔

بین الاقوامی پالیسی کے اہم سیاسی، بین الاقوامی، معاشی اور فوجی تعلقات کے مواقع پر جمہوری ممالک کی روایات یہ ہیں کہ ایسی ملاقاتوں سے پہلے پارلیمنٹ سے مشورہ کیا جاتا ہے اور بعد میں اسے اعتماد میں لیا جاتا ہے۔ یہاں موجودہ وزیراعظم صاحبہ کا سیاچین کے مسئلے پر جولائی 89ء ایک بیان پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ Benazir Bhutto The Way Out کے صفحہ نمبر 212 اور 211 پر نقل ہیں۔

"سب سے پہلے تو میں تمام منتخب اراکین کی سوچ کی طرف توجہ مبذول کرانا چاہتی ہوں جو انہوں نے ملک کے دفاع اور سلامتی کے مسئلے پر دکھائی ہے۔ یہ ایک معمول کی بات ہے کہ جب بھی سرحدوں پر کوئی گڑبڑ ہوتی ہے تو پارلیمنٹ کے ایوان اپنی آنکھیں اور کان بند نہیں کر لیتے بلکہ ان کا ہنگامی اجلاس وغیرہ طلب کر لیا جاتا ہے۔"

صبح و شام جمہوریت کا نام الاپنے والے بھول گئے کہ مطالبہ وہ پہلے کرتے رہے ہیں اس کے مطابق اس موقع پر پارلیمنٹ کو اعتماد میں لیا جانا چاہئے تھا۔ درحقیقت قومی اسمبلی اور سینٹ ہی وہ فورم ہیں جنہیں تمام معاملات اور خصوصیت سے اہم بین الاقوامی مسائل پر بروقت اعتماد میں لینا اور ان سے مشورہ کرنا چاہئے بلکہ زیادہ صحیح تو یہ ہے کہ ہم ملک میں جماعتی سیاست سے بالاتر خارجہ پالیسی کی روایات قائم کرنے کی کوشش کریں اور محض پارٹی کی بنیاد پر کام کرنے کی بجائے پوری قوم کو یہاں اور تمام پارٹیوں کو اعتماد میں لیں۔

شاید پاکستان کی تاریخ میں برسراقتدار حکومت کی پوزیشن اتنی نازک اور اتنی کمزور کبھی نہیں تھی جتنی آج اس وقت ہے اس لئے کہ جس پارٹی کو اقتدار ملا ہے اور جو حکومت کی پالیسی بنانے اور چلانے کی کوشش کر رہی ہے اسے عوام کی اکثریت نے اپنا اعتماد نہیں دیا۔ اس کی پارلیمنٹ میں بھی سادہ اکثریت نہیں جو دوسروں کا سہارا لے کر آگے بڑھ رہی ہے۔ ان حالات میں اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ اصولی اور نظریاتی نہیں بلکہ عملی سیاست کی بنیاد پر حکومت جماعتی وابستگی سے بالاتر اندرونی اختلافات سے قطع نظر کم از کم متفقہ خارجہ پالیسی اختیار کرے۔

ایک وقت تھا جب مرحوم ذوالفقار علی بھٹو صاحب ہندوستان سے ایک ہزار سال لڑنے کا عزم ظاہر کرتے تھے۔ انہوں نے ہی اپنی حکومت کے ابتدائی دنوں جولائی 1972ء میں شملہ معاہدہ کیا اور پانچ سال پیپلز پارٹی کی حکومت رہی۔ (شملہ معاہدہ کے تین سال بعد ہندوستان سے سفارتی تعلقات بحال ہوئے) لیکن ان کے اپنے بقیہ پانچ سالہ دور میں اصل مسئلہ یعنی مسئلہ کشمیر جس کے بارے میں پاکستانی قوم ایک لمحے کیلئے بھی سمجھوتہ کرنے کا تصور نہیں کر سکتی خواہ اس کیلئے اسے ہزاروں سال لڑائی لڑنی پڑے "تقریباً بھلا دیا گیا۔

شملہ معاہدہ اور کشمیر

شملہ معاہدے کی منظوری کے موقع پر ہندوستانی وزیراعظم کی تقریر کے چند نکات ہمارے پیش نظر رہنے چاہئیں جس سے ہمارے ذہن میں وہ سوالات پیدا ہوتے ہیں جن کے جواب ہم ابھی تک تلاش کر رہے ہیں۔ اندرا گاندھی 2 اگست 1973ء کو لوک سبھا میں اپنی تقریر میں فرماتی ہیں "شملہ معاہدہ کی رو سے بھارت کو الجھے ہوئے مسائل کا سامنا کرنے کی زیادہ بہتر پوزیشن میں ہے۔ اس معاہدے سے بھارت مستقبل کا سامنا زیادہ بہتر طریقے سے کر سکے گا حقیقت میں "میں یہ کہوں گی کہ معاہدہ شملہ ان داخلی اور بین الاقوامی پالیسیوں کو آگے بڑھانے کیلئے ہے جن پر بھارت تمام سالوں میں عمل پیرا رہا ہے۔"

یہ بیان بڑا قابل غور ہے 1970ء میں ہندوستان نے مشرقی پاکستان کو کاٹنے کیلئے اپنی مخصوص جارحانہ سفارتی پالیسی کا آغاز کیا اور فوجی مداخلت کے ذریعے سے مشرقی پاکستان کو ہم سے جدا کر دیا۔ یہ چیز ریکارڈ پر موجود ہے کہ ہندوستان کی حکومت نے پاکستان اور عالمی طاقتوں کو تحریری طور پر یقین دہانی کرائی تھی کہ وہ مشرقی پاکستان میں فوجی مداخلت نہیں کرے گا لیکن اپنی اس یقین دہانی کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اس نے مداخلت کا ارتکاب کیا۔ یہ وہ پس منظر تھا جس کے بارے میں انہوں نے کہا کہ

"حقیقت میں "میں یہ کہوں گی کہ شملہ معاہدہ ان داخلی اور بین الاقوامی پالیسیوں کو آگے بڑھانے کیلئے ہے جن پر ہندوستان تمام سالوں میں عمل پیرا ہے۔"

"میں نہیں جانتی کہ ہم دوسرے مرحلے میں مزید آگے جاسکیں گے لیکن مجھے یہ معلوم ہے کہ آغاز کر دیا گیا ہے جہاں سے واپسی مشکل ہے۔ اگر کوئی تکلیف دہ واقعہ ظہور پذیر ہوتا ہے جیسے کہ میں نے دونوں ایوان لوک سبھا اور دیگر مجلسوں پر کہا ہے کہ اگر جنگ چھڑتی ہے تو ہم اس کیلئے تیار ہیں۔ تب ہم یہ نہیں کہہ سکتے "نہیں" ہم نے امن کو قبول کیا ہے اس لئے ہم حملے کیلئے تیار نہیں ہیں۔"

اس کے بعد فرماتی ہیں:

"پاکستان میں ایک بڑی تبدیلی آئی ہے ہو سکتا ہے کہ پاکستان اس کا خواہشمند نہ ہو لیکن اس نے اس کا فیصلہ کیا ہو یا نہ کیا ہو "تبدیلی آچکی ہے۔ وہ اسے نظرانداز نہیں کر سکتے۔ یہ تبدیلی جنم لے چکی ہے۔ صدر بھٹو نے خود تسلیم کیا ہے کہ وہ ہندوستان کے ساتھ محاذ آرائی کی پالیسی کے حامی تھے اور اب خود اعتراف کرتے ہیں کہ صورت حال آج تبدیل ہو چکی ہے اور وقت کی ضرورت امن ہے۔ یہاں حالات تبدیل ہو چکے ہیں۔ حزب اختلاف کے کچھ ارکان نے میری اور سوارن سنگھ کی اس وجہ سے تعریف کی کہ ہم قطعی وثوق سے یہ نہیں کہہ سکتے ہیں کہ جنگ نہیں ہوگی لیکن ہم یہ جانتے ہیں کہ صدر بھٹو ایک مختلف قسم کے آدمی ہیں۔ میں یہ جانتی ہوں ہم جانتے ہیں کہ صدر بھٹو ایک مختلف قسم کے آدمی ہیں۔"

اندرا گاندھی کی اس تقریر سے شملہ معاہدے کا حقیقی حسن ہمارے سامنے آجاتا ہے۔

ہندوستان کا ایک معروف صحافی کلدیپ نیر جس کے ہندوستانی لیڈروں سے بڑے قریبی تعلقات ہیں لکھتا ہے کہ شملہ معاہدے کا ایک غیر تحریری حصہ بھی ہے جس میں یہ کہا گیا ہے کہ کشمیر کے معاملے میں کنٹرول لائن کو بتدریج بین الاقوامی سرحد تسلیم کر لیا جائے گا۔ معروف پاکستانی صحافی اور کالم نگار عبدالقادر حسن نے اسی زمانے میں معاہدے کے غیر تحریری حصہ کا حوالہ دیا جس کے مطابق کشمیر کی کنٹرول لائن کو ہی بطور بین الاقوامی سرحد تسلیم کر لیا جائے گا۔ اگرچہ ان خبروں کی تصدیق کا ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے ہم ہندوستانی اور پاکستانی صحافیوں کے یہ دونوں بیانات بھٹو صاحب کے دور اقتدار میں سامنے آئے تھے۔

شملہ معاہدے کے بعد سے ہم دیکھتے ہیں کہ کشمیر کے مسئلے کو اس زمانے کی حکومت نے اپنے پانچ سالہ دور میں بین الاقوامی پلیٹ فارم پر اٹھانے سے احتراز کیا حالانکہ معاہدہ شملہ بین الاقوامی سطح پر کشمیر کے مسئلے کو اٹھانے کی راہ میں مانع نہیں ہے اور دلچسپ بات یہ ہے کہ خود اندرا گاندھی اس بات کا اپنی راجیہ سبھا کی ایک تقریر میں اعتراف کرتی ہیں۔

وہ کہتی ہیں۔

"میں اب اقوام متحدہ کے بحث میں نہیں پڑنا چاہتی اور مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے کہ وہ (پاکستان) "اقوام متحدہ میں جاتے ہیں یا نہیں جاتے" مجھے اپنے بارے میں اعتماد ہے اور ہم جو بھی وضاحت دیں ہمیں اس کے بارے میں اعتماد ہے۔ اگر پاکستان اقوام متحدہ میں جاتا ہے تو ہم ان سے وہاں نمٹ لیں گے ہم ان کے بارے میں وہاں کسی مسئلے پر بات کرنے سے خوفزدہ نہیں ہیں۔ وہ اگر جنگ کرنا چاہتے ہیں تو ٹھیک ہے ہم جنگ کرنا نہیں چاہتے۔ میں کہتی ہوں ہمیں ہر طریقے سے کوشش کرنی چاہئے کہ جنگ نہ ہو لیکن اگر وہ حملہ کریں تو ہم بھی اس کیلئے تیار ہیں۔ میں اس سے خوفزدہ نہیں ہوں۔"

گویا اندرا گاندھی نے صاف الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ بین الاقوامی پلیٹ فارم پر بھی پاکستان جا سکتا ہے لیکن (1977ء تک) نہیں گیا۔ اگر یہ بات صحیح نہیں ہے تو حقائق کو سامنے لایا جائے اور بتایا جائے کہ فلاں تاریخ اور فلاں پلیٹ فارم پر مسئلہ کشمیر اٹھایا گیا ہے۔ البتہ اس کے بعد کے دور میں جو موجودہ حکومت کے حلق میں ہڈی کی طرح اٹک گئے ہیں۔ کشمیر کے مسئلے کو ہر بین الاقوامی پلیٹ فارم پر اٹھایا گیا ہے جس میں اقوام متحدہ، غیر جانبدار کانفرنس، غیر جانبدار ممالک کی سربراہ کانفرنس، "ای سی او"، "جنیوا"، "پیرس"، "واشنگٹن" حتیٰ کہ ہرارے کے بین الاقوامی اجلاس میں بھی یہ مسئلہ اٹھایا گیا۔ کشمیر کا مسئلہ ہمارے لئے ایک بنیادی مسئلہ ہے اور اگر بھارتی

02 JAN 1994

روزنامہ [illegible] اسلام آباد

دورے اس مسئلے کو ختم کرنے کیلئے ہیں تو یہ قوم اسے کبھی قبول نہیں کر سکتی۔

شملہ معاہدے کے بعد

ان تمام حالات کا بالترتیب مطالعہ کریں تو 21 سالوں میں یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ ہندوستان شملہ معاہدے کے بعد دوسرے مرحلے کیلئے ہرگز تیار نہیں' اس کا اصل مقصد یہ تھا کہ پاکستان کو ہمہ گیر کوششوں سے روک دے' ان میں بین الاقوامی سطح پر سرگرمیاں اور عالمی رائے عامہ کو اپنے حق میں ہموار کرنے اور اسے ہندوستان پر سیاسی دباؤ ڈالنے کیلئے تیار کرنے کے اقدامات بھی شامل تھے اور اس کے ساتھ وہ ہمیں اپنی قوت بڑھانے سے بھی روکنا چاہتا تھا تاکہ ہم سفارتی طریقے سے جائز حق نہ ملنے کی صورت میں اسے اپنے زور بازو سے بھی حاصل نہ کر سکیں۔

سینیٹر پروفیسر خورشید احمد

جبکہ ہندوستان نے ہر ہر قدم پر معاہدہ شملہ کی خلاف ورزی کی' اس نے سرحدی کنٹرول لائن کو تسلیم کرنے کے بعد اسے چیلنج کیا ہے۔ ہمارا موقف یہ ہے کہ شملہ معاہدہ ہو یا نہ ہو' پاکستان کے دفاعی مفادات کا تحفظ ہماری ذمہ داری ہے۔ پاکستانی قوم پیٹ پر پتھر تو باندھ لے گی لیکن اپنے مفادات پر کبھی کوئی سودا نہیں کرے گی۔

شملہ معاہدے کے بعد ایک اہم تبدیلی نے جنم لیا' کچھ دل بدلنا شروع ہو گئے' ہندوستان کے بارے میں زبان مختلف ہو گئی' پاکستان کیلئے دفاعی معاملات کو اٹھانا اور اس کیلئے بین الاقوامی اور ملکی سطح پر کام کرنا مشکل ہو گیا' آزاد کشمیر کو پاکستان میں ضم کرنے اور اس کے صدر کو گرفتار اور معطل کرنے کی کوششیں کی گئیں۔ کوشش کی گئی کہ کسی طرح ایک اٹل حقیقت (fait accompli) کے طور پر صرف آزاد کشمیر پاکستان کا حصہ بن جائے اور مقبوضہ کشمیر کے معاملات کو بھول جایا جائے۔ اس کے بعد محبت کا ایک طوفان پھر سے ابھرا جب ہندوستان نے اس وقت بر سر اقتدار بھٹو فیملی کی تعریف شروع کی' اس کا اندازہ "انڈیا ٹوڈے" میں محترمہ نصرت بھٹو کے پہلے انٹرویو سے لگایا جا سکتا ہے جو انہوں نے پاکستان سے رخصت ہونے کے بعد پیرس میں دیا۔

Pakistan may break-up (پاکستان ٹوٹ سکتا ہے۔) کے عنوان سے 15 جنوری 1983ء کو شائع ہونے والے اس انٹرویو کے دو تین اقتباسات ملاحظہ ہوں:

"ملک کے اندر اور ملک سے باہر بہت سے ہمدرد اور خیر خواہ تھے اور ضیاء کے نام مسز گاندھی کا خط تھا۔ وہ واحد سربراہ مملکت تھیں جنہوں نے کھلے عام کہا کہ مجھے بہتر طبی سہولتوں کے حصول کیلئے بیرون ملک جانے کی اجازت ملنی چاہئے۔" اس کے بعد سوال کیا جاتا ہے۔

(کیا بھٹو ناقابل اصلاح حد تک ہندوستان کا مخالف تھا اور وہ ہندوستانی عظمت سے نفرت کرتا تھا؟) محترمہ نصرت بھٹو جواب دیتی ہیں کہ:

"جب آپ نے سنا کہ مسز گاندھی نے جنرل ضیاء سے آپ کو بیرون ملک علاج کیلئے اجازت دینے کی درخواست کی ہے تو آپ کا ردعمل کیا تھا؟"

جواب: (مجھے خوشی نہیں ہوئی' میں نے سوچا کہ ہندوستانی کتنے خوش قسمت ہیں' ان کے پاس نہ صرف ایک جمہوری ذہن رکھنے والا رہنما ہے بلکہ ایک نظام بھی۔ میں نے کراچی سے انہیں خط لکھا' آپ کا شکریہ)

اس طرح دلوں کے بدلنے کے ساتھ ساتھ ملکوں کی قسمتیں بھی بدلنے لگیں۔

1974ء میں ہندوستان نے پاکستان میں فوجی بغاوت برپا کرانے کی کوشش کی' ہندوستان سے پیسہ آیا' پاکستانی فوجی اور سیاسی مہرے بھی استعمال ہوئے' مقدمہ چلا لیکن اس کے بعد اس خاندان کے لوگ ہندوستان جا کر ان کے مہمان بنے' ان سے دوستیاں استوار کیں اور عہد و پیماں کئے' کہ الذوالفقار کے لوگوں کو' جنہوں نے جہاز اغوا کیا تھا' ہندوستان نے پناہ دی' پاکستان کے احتجاج پر ہندوستان نے اس کی تردید کی تو پاکستان نے ہندوستان کو ناقابل تردید ثبوت فراہم کیا۔ اس ضمن میں جنرل عارف کا بیان ریکارڈ پر موجود ہے۔

"ہندوستان نے پی آئی اے کا جہاز اغوا کرنے والوں سے اعلیٰ سطحی روابط رکھ کر انہیں اپنا مہمان بنا کر اور سفری سہولت دیکر اپنے بین الاقوامی وعدے کی خلاف ورزی اور بین الاقوامی دہشت گردی کی حوصلہ افزائی کی۔ جب پاکستان نے ناقابل تردید ثبوت پیش کئے تو ہندوستانی حکومت نے انہیں سفری سہولت فراہم کرنے کا اعتراف کر لیا۔"

دوسری جانب پاکستان میں انتخابات کے موقع پر ہندوستان کے اخبارات اور ہندوستان کے ریڈیو اور ٹی وی کی نشریات کا جائزہ لیں تو معلوم ہو گا جیسے یہ انتخابات پاکستان کی پارٹیوں کے درمیان نہیں بلکہ ہندوستان اور پاکستان کے درمیان مقابلہ ہو رہا ہے' پھر پیپلز پارٹی برسر اقتدار آئی تو ہندوستان کے سرکاری حلقوں میں جشن منایا گیا۔

اس پس منظر میں ہمیں یہ امید دلائی جاتی ہے کہ ہندوستان سیاچین کے مسئلے پر بات کرنے کو تیار ہے اس کے ساتھ ساتھ ہندوستانی ذرائع ابلاغ اور دانشوروں نے ایک مہم کے تحت کہا کہ ہندوستان کو بے نظیر حکومت کو تقویت مہیا کرنے کیلئے پاکستان کی امداد کرنا چاہئے۔ نہایت اہم مسائل سے صرف نظر کر کے چند ترجیحی مسائل مثلاً سیاچین پر گفتگو کرنی چاہئے۔ سیاچین میں بھارت کو بہت بھاری قیمت ادا کرنا پڑ رہی ہے۔ وہاں فوجی نقصانات کی رفتار بہت زیادہ ہے۔ ان کے تقریباً ایک سو سے زائد تربیت یافتہ افراد ہر سال وہاں مر رہے ہیں۔ اس بنا پر ان کے خیال میں اگر وہ پاکستان کے ساتھ سیاچین پر کوئی معاہدہ کریں تو یہ ان کیلئے ایک اچھی ابتداء بن سکتی ہے۔ یہ رعایات کی اصطلاح ان کی ہے۔ جبکہ ہمارا موقف یہ ہے کہ یہ تمام علاقہ پاکستان کا ہے' جس پر ہندوستان نے شملہ معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے قبضہ کر رکھا ہے۔

اس پس منظر 1979ء میں ہمارے وزیر دفاع سے میٹنگ کے بعد بھارتی سیکرٹری خارجہ کی موجودگی میں پاکستانی سیکرٹری خارجہ نے اعلان کیا کہ ہندوستان اور پاکستان نے اتفاق کیا ہے کہ سیاچین کے علاقے میں دونوں اطراف کی افواج شملہ معاہدے سے پہلے کے مقامات پر واپس چلی جائیں گی۔ بھارتی سیکرٹری خارجہ نے اس موقع پر تو اس کی تردید نہیں کی لیکن دہلی پہنچ کر اس کی طرف سے تردیدی بیان آ گیا۔

سندھو دیش کے قیام کیلئے ہندوستان نے کچھ عرصہ قبل ایمن آباد کے مقام پر کانفرنس کی ہے' جس میں 4 سو افراد نے شرکت کی اور سندھو دیش کے قیام کیلئے کام کرنے والے سندھی ہندوؤں کی تنظیم ورلڈ سندھ کانگریس کے وفد نے بھارتی وزیراعظم سے ملاقات کی۔ اس سے پہلے ان کی کانفرنس کا افتتاح دہلی میں اندرا گاندھی کر چکی ہے۔ ان سارے حقائق سے صرف نظر کر کے ہندوستان اور پاکستان کے معاملات کا سامنا کرنا صحیح نہیں ہو گا۔

بھارتی عزائم

ہمیں تھوڑا وقت یہ متعین کرنے کیلئے صرف کرنا پڑے گا کہ پاکستان کے بارے میں ہندوستان کے پالیسی مقاصد کیا ہیں؟ حکومت کو چاہئے کہ وہ معروضی تجزیئے کے ذریعے ہندوستان کے قول اور فعل میں تضاد کا جائزہ لے۔ جواہر لال نہرو نے پاکستان بننے کے بعد اپنے متعدد بیانات میں پاکستان کی بنیاد دو قومی نظریئے کو احمقانہ قرار دیا' ان کے تمام پالیسی تجزیہ نگار بین الاقوامی قوانین کے مطابق یہ لکھتے ہیں کہ برطانوی اقتدار کی جانشین قوت صرف بھارت ہے۔ جبکہ پاکستان دستبردار ہونے والی طاقت (Receding Power) ہے' حقیقت یہ ہے کہ تین جون کے پلان کے تحت پاکستان اور ہندوستان دونوں جانشین قوتیں ہیں' ہم نے اس ورثے اور اقتدار اعلیٰ کو جو ہم سے چھینا گیا تھا دوبارہ پایا ہے لیکن ہندوستانی تجزیہ نگار' ماہرین قانون اور بین الاقوامی قوانین پر لکھنے والوں نے اپنے ملک میں ہی نہیں بلکہ اپنے ملک کے باہر اقوام متحدہ تک میں متذکرہ دعوے کو دہرایا۔

پنڈت جواہر لال نہرو نے خارجہ پالیسی بیان کرتے ہوئے اپنی حکومت کا موقف واضح کیا کہ وہ عمومی طور پر کانگریس کا انداز نظر اپنائے گی' جس کا مطلب فرقہ وارانہ تعصب اور فرقہ واریت کے سامنے ہتھیار نہ ڈالنا ہے' اس کا اشارہ واضح طور پر پاکستان کی جانب ہے۔ کانگریس کی ورکنگ کمیٹی نے 14 جون 1947ء کو خارجہ پالیسی کے سلسلے میں جو قرارداد پاس کی اس کے الفاظ کے مطابق'

"ہندوستان کے جغرافیہ' پہاڑ اور سمندر کی تشکیل اور صورت کو کوئی انسانی ارادہ تبدیل نہیں کر سکتا اور نہ ہی اس کے آخری مقدر کی راہ میں حائل ہو سکتا ہے' اقتصادی حالات اور بین الاقوامی معاملات کے تقاضے ہندوستان کے اتحاد کو اور

02 JAN 1994

روزنامہ [illegible] اسلام آباد

ضروری کر دیتے ہیں۔ آل انڈیا کانگریس کمیٹی سنجیدگی سے یہ یقین رکھتی ہے کہ جب موجودہ جذباتی ہیجان بیٹھ جائے گا تو ہندوستان کے مسائل کو صحیح تناظر میں دیکھے جائیں گے اور ہندوستان میں دو قوموں کا باطل نظریہ مسترد اور غیر معتبر قرار پائے گا۔" یہی دو قومی نظریہ جس پر پاکستان بنی ہے ہمارے اور ان کے درمیان اصل وجہ نزاع ہے۔ اس وقت کے کانگریس کے صدر مسٹر اچاریہ نے کہا:

"ہمیں اب اپنی تمام توانائیاں اپنی اس سرزمین کو متحد کرنے کیلئے وقف کر دینی چاہئیں۔" پٹیل نے یہ کہا کہ:

"آج تقسیم ہند ایک طے شدہ حقیقت ہے لیکن یہ ایک غیر فطری حقیقت ہے۔ تقسیم سے ہندوستان کے جسد سیاست سے زہر نکل جائے گا اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ علیحدہ ہونے والے علاقوں میں باقی ماندہ ہندوستان سے پھر آملنے کی خواہش پیدا ہوگی۔ ہندوستان ایک ہے اور ناقابل تقسیم ہے۔" اسی طرح کے بیسیوں حوالے پیش کئے جا سکتے ہیں۔

اسی بنیاد پر لندن ٹائمز نے 17 مئی 1947ء کے اپنے اداریے میں یہ بات لکھی تھی کہ کانگریس موجودہ منصوبہ پر جو تقسیم ہند پر اس امید سے عمل کرے گی کہ بالآخر ہندوستان کا اتحاد دوبارہ عمل میں آجائے گا۔

چانکیہ پالیسی کی مرتب کردہ اہم دستاویز "انڈیاز سیکیورٹی" پر توجہ مرکوز کرنے کی ضرورت ہے جسے بین الاقوامی امور کے ماہرین، خارجہ پالیسی کے شعبوں اور سابق خارجہ سیکرٹریوں نے مل کر مرتب کیا۔ اس میں انہوں نے ہندوستان کے آئندہ 20 سالوں کے دوران پالیسی کا خاکہ مرتب کیا ہے۔ جسے 1983ء میں شائع کیا گیا۔ اگر ہم پچھلے چھ سات سال کا جائزہ لیں تو ہمیں صاف نظر آتا ہے کہ اس دستاویز میں تجویز کردہ باتوں پر عمل ہوا ہے۔ اس میں ہندوستان سے سیاسی اور عسکری قوت کو دو بالا کرنے کو اولین اہمیت دینے کیلئے کہا گیا ہے۔ دستاویز کے مطابق اس قسم کی قوت کے ذریعے ہی ہندوستان ایک موثر علاقائی پالیسی اختیار کر سکتا ہے۔ اس میں ہندوستان کے دفاع کیلئے بحریہ کو ترقی دینے کی ترجیح کی بات بھی کی گئی ہے۔ اس کے مطابق ہندوستان کے مد نظر صرف بحر ہند کا ہی دفاع نہیں ہے بلکہ اسے مدغاسکر سے لیکر چین تک کے تمام علاقے کے بارے میں متفکر ہونا چاہئے۔ دستاویز میں صاف الفاظ میں یہ لکھا ہے کہ ہندوستان اور پاکستان کا اصل جھگڑا دو قومی نظریہ ہے۔ ہمارے دفتر خارجہ کو اسے اہمیت دینی چاہئے۔

"اگر ہمیں پاکستان کے ساتھ کوئی باہمی معاہدہ کرنا ہے تو ہمیں سب سے پہلے اس قسم کے معاہدے کی بنیادی شرائط کا تعین کرنا ہوگا۔ ہندوستان کے ساتھ معاملات کے ضمن میں پاکستان کی پالیسی کے دو اجزاء امریکہ کے ساتھ اس کے تعلقات اور دو قومی نظریہ ہے۔"

اس رپورٹ میں کم از کم ایک درجن مقامات پر پاکستان کو بنیاد پرست کہا گیا ہے۔ پاکستان کا مسئلہ ہو یا اس کا دو قومی نظریہ، کشمیر کو اس دو قومی نظریئے کی بنیاد پر مسلم انڈیا کا حصہ نہ کہنا اور پاکستان کا اس کے لئے استحقاق جتانا ہندوستان اور پاکستان کے درمیان اصل وجہ نزاع ہیں، جس کی موجودگی میں پاکستان سے کوئی بامقصد معاہدہ اور دوستی نہیں ہو سکتی۔ دستاویز میں بار بار دوستی اور امن کی شرط یہ رکھی گئی ہے کہ پاکستان کمزور ہو اور وہ اپنے آپ کو ہندوستان کے مساوی نہ سمجھے "دو قومی نظریئے کے بجائے ہندوستان کا اصل اور دعویٰ یہ رہا ہے کہ پاکستان یا کوئی بھی ملک اس علاقے میں ہندوستان کی برابری کا رویہ اختیار نہ کرے۔"

میں نے ہندوستان میں شائع ہونے والے مضامین اور خاص طور سے مشرقی پاکستان پر حملہ اور بنگلہ دیش بننے کے بعد سو سوا سو سے زیادہ جو کتابیں شائع ہوئی ہیں ان کے بارے میں تحقیق کی ہے، جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ہندوستان کا شروع سے ہی مقصد یہ تھا کہ پاکستان کو دو حصوں میں کاٹ دیا جائے اس لئے کہ وہ پاکستان کے دو بازوؤں کو ہندوستان کیلئے خطرہ اور ان سے مقابلہ کرنا مشکل تصور کرتے تھے۔ اس کے علاوہ ہندوستان کی پاکستان میں علاقائی عصبیتوں کو ابھارنے اور اس کے اندرونی معاملات کے بارے میں اس کے رویئے کو مد نظر رکھا جائے تو اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے پیش نظر دو قومی نظریئے کا خاتمہ اور پاکستان میں لادین اور سوشلسٹ حکومت کا قیام ہے۔ اس کے نزدیک نظریاتی صفوں کے خاتمے سے ہی اس کے ساتھ دوستی قائم ہو سکتی ہے۔

جاری ہے

03 JAN 1994

روزنامہ خبریں اسلام آباد

○○○ بھارت کے ساتھ دوطرفہ تعلقات ○○○

دوسری قسط

اس کے ساتھ وہ یہ چاہتا ہے کہ پاکستان معاشی "اقتصادی" سیاسی اور فوجی اعتبار سے اپنے دفاع کا اہل نہ ہو "وہ مالدیپ کی طرح اتنا کمزور ہو کہ ہندوستان سے فوجیں منگوائے"۔

پاکستان سے دراصل شکایت ہی یہ ہے کہ پاکستان نے اس سے مساوی ہو کر اور خود مختاری کو ایک حقیقت بنا کر بات کی ہے، جس سے اس کا علاقے میں سپر پاور بننے کا خواب چکنا چور ہو جاتا ہے۔

پنڈت نہرو نے اپنی کتاب Discovery of India میں جو انہوں نے 1945ء میں جیل میں لکھی، صاف کہا ہے کہ:

"ہندوستان کی حیثیت اور مقام ہی ایسا ہے کہ وہ دنیا میں دوسرے درجے کا کردار ادا نہیں کر سکتا یا تو بہت اہم کردار یا کچھ بھی نہیں۔ درمیانی پوزیشن اس کیلئے کوئی کشش نہیں رکھتی اور نہ ہی میرے خیال میں ایسی کوئی پوزیشن قابل عمل بھی ہے۔"

پہلی ایشیائی کانفرنس میں مجھے ایک طالب علم کی حیثیت سے شرکت کرنے کا موقع ملا تھا مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ پنڈت نہرو نے وہاں یہ الفاظ استعمال کئے تھے۔

"ایشیا اور دنیا کے مستقبل میں ایک اہم کردار ہندوستان کیلئے مقدر ہے۔" اس بنا پر ہندوستان نے کبھی بھی اپنے آپ کو محض اس علاقے کا ایک ملک نہیں سمجھا اس نے پاکستان کو ہمیشہ اپنا حریف گردانا اس نے چین سمیت ہر اس ملک کو جس سے اسے خدشہ تھا چیلنج کیا۔ چین کو جب اس نے ایک طاقت کی حیثیت سے ابھرتے دیکھا تو اسے لڑائی میں الجھا لیا۔

نیکس ویل کی India-China War میں ناقابل تردید شواہد کی بنیاد پر یہ بات دکھائی گئی ہے کہ اس جنگ کی منصوبہ بندی خود ہندوستان نے کی اور اسی نے اس کا آغاز کیا۔ اس کا مقصد غیر جانبدار ممالک اور اس علاقے میں چین کی ابھرتی ہوئی حیثیت کو ناکام کرنا تھا۔ اس کے ساتھ وہ اس بہانے امریکہ سے دوستی کے دروازے کھولنا اور اس سے خاص قسم کا اسلحہ حاصل کرنا چاہتا تھا۔

ڈاکٹر پنیکا انڈیا کی خارجہ پالیسی کا فلاسفر اور متعدد کتابوں کا مصنف ہے۔ اس کی کئی کتابیں مثلاً India and India and Indian Ocean اور World Affairs میں بالکل یہی بات کہی گئی ہے کہ ہندوستان اس علاقے کی علاقائی طاقت ہے اور جب تک علاقائی طاقت کی حیثیت سے وہ اپنا مقام حاصل نہیں کر لیتا یعنی تیسری بڑی عالمی طاقت نہیں بن جاتا اس وقت تک اس کی خارجہ پالیسی کامیاب نہیں ہوگی۔ پنیکا کے الفاظ ہیں:

"جب تک سنگاپور، ماریشس، عدن، [illegible] کے دروازے کے مقامات مضبوطی سے قابو نہیں کئے جاتے اور جب تک ان کی معقول حفاظت کیلئے بحریہ کو ترقی نہیں دی جاتی ہندوستان کو سلامتی یا حفاظت میسر نہیں آئے گی۔"

خارجہ پالیسی کا ایک اور ماہر ڈاکٹر انیس ترمیکل جس کی شناخت ہی بھارت کی خارجہ پالیسی کا موضوع ہے کہتا ہے۔

"جغرافیہ ایک نہایت ہی اہم پہلو ہے" ہندوستان کا اپنی زمینی یا سمندری حدود سے قریبی علاقوں کے ساتھ خصوصی مفاد وابستہ ہے۔ اس وجہ سے ہندوستان کیلئے نیپال، پاکستان، افغانستان، چین، ملائیشیا، انڈونیشیا اور سیلون بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ اس لئے ہندوستان کو اپنے دونوں سنگاپور اور سوئز کو کنٹرول کرنا چاہئے اگر ان کلیدی مقامات پر مخالف طاقتوں کا قبضہ رہے تو ہندوستان کا وجود اور آزادی خطرے میں رہے گی۔ افغانستان ایک طویل عرصہ تک ہندوستان کا حصہ رہا ہے۔"

یہاں لفظ افغانستان استعمال ہوا ہے لیکن افغانستان ہندوستان کا حصہ ہو ہی نہیں سکتا جب تک کہ پاکستان ہندوستان کا حصہ نہ ہو جائے۔

"ایک طویل عرصے تک افغانستان ہندوستان کا حصہ رہا ہے جبکہ دور جدید میں تیل کی ضروریات کے پیش نظر ایران ہندوستان کیلئے نہایت اہم ہے۔ اس علاقے میں ہندوستان تیل کی ضروریات اسے پھر سے عرب خطہ سے وابستہ کرتی ہیں۔ موجودہ وقت میں عراق کا تیل ہندوستان کو عراق کے قریب لے آیا ہے۔"

"برطانیہ کے جانے سے پیدا ہونے والے طاقت کے خلاء کو پر کرنے کی ضرورت ہے" ہندوستان کو چاہئے کہ وہ مستقبل کی ایک بڑی طاقت کی حیثیت سے سنگاپور سے سوئز تک کے علاقے کو اپنی تحویل میں لے لے۔"

یہی وہ ذہن ہے جس کی نشاندہی 1983ء کی دستاویز سے ہو رہی ہے۔ یہی ذہن پنڈت نہرو کی اور اندرا گاندھی کی تقاریر میں جھلکتا ہے۔ مشرقی پاکستان کے سقوط کے بعد مسلمانوں سے ایک ہزار سال کا بدلہ لینے کی بات کی گئی اس کے الفاظ تھے

"آج ہم نے دو قومی نظریے کو دفن کر دیا۔"

یہ وہ ذہن تھا اور یہی وہ ذہن ہے جو اب بھی بھارتی قیادت عملاً استعمال کر رہی ہے۔ دفتر خارجہ حقائق سے [illegible] کچھ عرصہ قبل ہی "ایک بڑی طاقت کا ابھار" کے عنوان سے ٹائمز میگزین میں چھپنے والے مضمون کے مندرجات پر غور کرے۔ اس مضمون میں دراصل امریکی، آسٹریلوی، بھارتی اور یورپی سوچ کی عکاسی کی گئی ہے۔ اس میں ان سب کا مشترکہ تجزیہ یہ ہے کہ ہندوستان کو اس علاقے کی سپر پاور تسلیم کیا جائے۔ وہ ایک سپر طاقت ہے اس کے پاس فوج، اسلحہ اور اقتصادی قوت ہے یہاں وہ اس علاقے میں اگر پولیس مین کا کردار انجام دینا چاہے تو امریکہ کو اپنے آپ کو اس سے ہم آہنگ کرنا چاہئے۔

یہی بات کچھ عرصہ قبل امریکہ کے اسسٹنٹ انڈر سیکرٹری برائے مملکت اور تین چار متعدد پروفیسروں نے کی ہے۔ ریگن کا وہ بیان بھی سامنے رہنا چاہئے جس میں اس نے ہندوستان کے سری لنکا میں اپنی فوجیں بھیجنے کے بارے میں کہا تھا کہ ہندوستان نے اس علاقے میں اپنا کردار ادا کیا ہے۔ مالدیپ میں جب ہندوستان نے فوجیں بھیجی ہیں تو بھی امریکہ نے اسے یہی اہمیت دی۔ یوں اس پورے علاقے میں ہندوستان کی بالادستی کو عملاً قبول کروانے، منوانے اور مضبوط کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ ہندوستان کی اعلیٰ ٹیکنالوجی کے ذریعے مدد کرنے کی بات بھی کی جا رہی ہے تاکہ وہ اس علاقے میں اپنے اس رول کو ادا کر سکے۔

بھارت کی فوجی تیاریاں

دوسری جنگ عظیم کے بعد دنیا میں صرف دو ملک ہندوستان اور اسرائیل ایسے ہیں جنہوں نے قوت اور فوج کا استعمال کر کے اپنی حدود کو وسیع کیا۔ تقسیم ہند کے فوراً بعد جونا گڑھ، مناودر، حیدر آباد اور کشمیر پر فوج کشی کی گئی، بھوپال کا گلا گھونٹنے کے ساتھ گوا پر قبضہ کیا گیا، سکم کو ہضم کیا گیا۔ سری لنکا اور مالدیپ میں بھی فوجیں بھیجی گئیں۔ یہ ساری کی ساری چیزیں بالکل اسی طرح ہیں جس طرح کہ اسرائیل نے 1948ء سے لے کر آج تک بزور طاقت استعمال کر کے اپنی سرحدوں کو بڑھایا ہے۔ ہندوستان کے توسیع پسندانہ عزائم کو نظر انداز کر کے بنائی گئی خارجہ پالیسی پاکستان کیلئے سخت نقصان دہ ہوگی۔

ہندوستان نے اپنی دو تہائی آبادی کو بھوکا رکھ کر اپنی فوجی قوت میں بے پناہ اضافہ کیا ہے جبکہ ہمیں وہ قوت کے بارے میں درس دیتا ہے۔

سینیٹر پروفیسر خورشید احمد

ہندوستان سب سے پہلے اپنی فوجی قوت کو بڑھا کر 71۔1970ء کے مقام پر لے آیا جہاں پاکستان سے تین سے پانچ گنا زیادہ فوجی قوت اس کو حاصل ہو گئی۔ اس کے بعد اس نے ایٹمی قوت اور بحریہ پر اپنی پوری توجہ مبذول کی۔ 1960ء سے اس وقت تک ہندوستانی بحریہ میں پانچ گنا سے زیادہ اضافہ ہو چکا ہے۔ ہمارے اور ہندوستانی بحریہ کے درمیان اس وقت ایک اور [illegible] سے زائد کا فرق ہے۔ یہ کام ایک خاص منصوبے کے تحت کیا گیا ہے۔ جہاں تک ایٹمی پالیسی کا تعلق ہے ہم اس بارے میں اعتدال کرتے ہوئے شرماتے اور دوسروں کی ناراضگی سے ڈرتے ہیں۔ یہاں پنڈت جواہر لال نہرو کے بیان کا حوالہ بے جا نہ ہوگا جو انہوں نے اٹامک انرجی کمیشن کے چیئرمین کے طور پر دیا تھا۔

"ہمیں اٹامک ٹیکنالوجی میں ہر صورت مہارت حاصل

0 3 JAN 1994

روزنامہ خبریں اسلام آباد

کرنی چاہئے ہم یہ ٹیکنالوجی پرامن مقاصد کیلئے استعمال کرنا چاہتے ہیں لیکن بحیثیت قوم اگر ہمیں اسے کبھی دوسرے مقاصد پر استعمال کرنے کیلئے مجبور کیا گیا تو مجھے یقین ہے کہ ہم میں سے کوئی بھی اس کے استعمال کی مخالفت نہیں کرے گا۔" آگے فرماتے ہیں۔

"مجھے توقع ہے کہ ہندوستان کے سائنس دان ایٹمی توانائی کو تعمیری مقاصد کیلئے پورے طور پر بروئے کار لائیں گے لیکن اس کے ساتھ ساتھ میں یہ بھی واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ اگر کبھی ہندوستان کی سلامتی کو خطرہ لاحق ہوا تو وہ اس کے دفاع کیلئے دیگر ممکنہ وسائل کی طرح اس وقت سے بھی بھرپور فائدہ اٹھائے گا اور ایٹم بم بنائے گا۔"

ہندوستان کے اٹامک انرجی کمیشن کے چیئرمین نے جس کا نام "انڈین بم مین" رکھا گیا تھا' صاف الفاظ میں یہ بات کہی ہے کہ ہمیں یہ بم بنانا چاہئے اور بم بنانے کے سوا ہمارے لئے کوئی اور راستہ نہیں ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں۔

"ایٹم بم بنانے کی مخالفت صرف وہی لوگ کریں گے جو چاہتے ہیں کہ بھارت' روس یا چین کے تسلط میں چلا جائے۔"

بھارت ایٹمی توانائی اور بحریہ کے ساتھ ساتھ درمیانی اور لمبی مار کے بیلیسٹک میزائل بنانے پر بھی توجہ مرکوز کئے ہوئے ہے۔ اس نے اگنی کا کامیاب تجربہ کیا ہے۔ اس نے یہ بات متعدد بار کھل کر کی ہے کہ ہمیں اس کے ساتھ دوستی کیلئے اس کی بالادستی تسلیم کرنا ہوگی۔ کشمیر اور ایٹمی توانائی سے دستکش ہونا ہوگا اس صورت میں امن ہی امن ہے اور اسی صورت میں تجارتی اور ثقافتی ہر قسم کے روابط استوار ہو سکتے ہیں۔

پاکستان کسی بھی ملک سے معاملات طے کرتے ہوئے غیر مساوی حیثیت تسلیم نہیں کر سکتا۔ ہندوستان کی بالادستی اس علاقے میں ہمیں نہ قبول تھی نہ ہے اور نہ کبھی ہوگی اور یہی ہماری خارجہ پالیسی کی بنیاد ہونی چاہئے۔ ہم دوستی چاہتے ہیں لیکن یہ دوستی عزت اور وقار' خود مختاری اور تاریخی' دینی' نظریاتی اور سیاسی مقام کے تحفظ کے اصول پر مبنی ہونی چاہئے۔ اگرچہ ہم بہت سی خرابیوں کے باعث اپنا تاریخی کردار ادا نہیں کر سکے لیکن ہمارا ماضی بڑا شاندار ہے اور ہم ہمت ہارنے والے لوگ نہیں ہیں۔ ہم اپنے نظریے کی بنیادوں کو ثقافت اور تجارت کے نام پر کمزور ہونے کی ہرگز اجازت نہیں دے سکتے۔

دس بنیادی اصول

آخر میں ان دس بنیادی معاملات کا حوالہ دوں گا جن کے سلسلے میں یقین دہانی کی بنیاد پر ہی ہندوستان کے ساتھ دوستی کی بات آگے بڑھ سکتی ہے۔

دو قومی نظریہ

دو قومی نظریہ ہماری بنیاد ہے جس کا ہمیں تحفظ کرنا ہے۔ اسلامی تشخص' اسلامی ثقافت اور اسلامی کلچر کو فروغ دینا ہے کسی مشترک کلچر کو نہیں۔ ہمارا اور ہندوؤں کا تمدن بالکل ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ وہ بت پرست ہیں ہم توحید پرست ہیں' کسی بھی پہلو سے دیکھ لیجئے' پرکھ لیجئے' ہم ان سے جدا ہیں ان سے مختلف ہیں ہم لڑ کر ہندوستان سے الگ ہوئے ہیں ہم ایک نہیں ہو سکتے۔

یہاں راجیو گاندھی صاحب کی وہ تقریر قابل توجہ ہے جو انہوں نے پاکستان میں اپنے اعزاز میں 1989ء میں ضیافت کے موقع پر کی ہے۔ اس نے یہاں آکر ہمارے منہ پر طمانچہ مارا اور کہا ہے کہ ہماری تاریخ اور ہمارا کلچر ایک ہے اور ہمارے درمیان کسی نوعیت کا کوئی فرق نہیں ہے۔ اس کی یہ باتیں پاکستان کے بنیادی تصور کے بالکل منافی ہیں۔ قائداعظم نے متعدد بار واشگاف الفاظ میں کہا تھا کہ ہندو اور مسلمانوں کا مذہب' کلچر' تعلیم' ثقافت' زبان ہر چیز ایک دوسرے سے الگ ہے۔ ہم نے ہندوؤں کے ساتھ ایک ہزار سال رہ کر ان کی ذہنیت کو سمجھا ہے اور ہم نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ ہم اور وہ ایک ساتھ نہیں رہ سکتے۔ قائداعظم رحمتہ اللہ علیہ کے الفاظ تھے۔

"ہم مسلمان اور ہندو ہر چیز میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ ہمارا مذہب' تہذیب' ثقافت' تاریخ' زبان' فن تعمیر' موسیقی' علم قانون' معاشرہ اور ہمارا لباس ایک دوسرے سے ہر لحاظ سے مختلف ہے۔ ہم اس تضاد میں اکٹھے نہیں رہ سکتے۔"

راجیو گاندھی نے اس موقع پر کہا وہ چار سال کے تھے جب پاکستان بنا ہے جبکہ آپ (بے نظیر صاحبہ) تو پیدا بھی نہیں ہوئی تھیں اس لئے آپ کو کیا پتہ کہ پاکستان بننے کے لئے کیا کچھ ہوا ہے؟ لیکن پاکستان میں ابھی ان لوگوں کی کمی نہیں ہے جنہوں نے اپنی آنکھوں سے ہندوؤں کے مظالم دیکھے ہیں' ایسی ٹرینیں دیکھی ہیں جن میں لاشوں کے سوا کچھ نہیں تھا۔ ہمیں پتہ ہے کہ پاکستان کس قیمت پر بنا ہے اور اگر پاکستان نہ بنتا تو مسلمانوں کا کیا حشر ہوتا۔

مسئلہ کشمیر

دوسری بنیادی بات مسئلہ کشمیر ہے جسے حل کئے بغیر ہندوستان سے دوستی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لیاقت علی خان کو بھی اسی چکر میں ڈالنے کی کوشش کی گئی تھی۔ لیاقت علی خان نے 14 فروری 1950ء کو پنڈت نہرو کو لکھا کہ

"آپ جنگ نہ کرنے کے معاہدہ کی بات کرتے ہیں ہم اس کیلئے تیار ہیں لیکن اس کے ساتھ آپ کو ان مسائل کا اعتراف کرنا ہوگا جو ہمارے درمیان حل طلب ہیں اور ان کے حل کیلئے ایک ٹائم ٹیبل کا تعین کرنا ہوگا اور اس کے ساتھ یہ بھی کہ مدت مقررہ کے اندر اگر ہمارے درمیان اتفاق رائے نہ ہو سکا تو ہم ثالثی کے ذریعے اپنے مسائل کو طے کریں گے۔ اس دائرہ کار میں اگر ہندوستان تیار ہے تو ہم جنگ نہ کرنے کے معاہدے کیلئے تیار ہیں۔" لیاقت علی خان نے جس صاف اور کھلے انداز میں ہندوستان کی عیارانہ چال کو ناکام بنایا پاکستان کے دفتر خارجہ کو اس پر غور کرنا چاہئے وہ کہتے ہیں

"پاکستان بنیادی مقاصد کے مشترکہ اعلامیہ کے اجراء کی تجویز کا خیر مقدم کرتا ہے جس کا مقصد ہندوستان اور پاکستان کے علاوہ پوری دنیا کو یہ یقین دلانا ہے کہ دونوں حکومتیں تنازعات کے حل کیلئے جنگ سے اجتناب کریں گی۔"

بڑی اچھی بات ہے۔

"اس مقصد کے حصول کیلئے یہ ضروری ہے کہ اعلامیے کی روح کے مطابق ٹھوس اقدامات بھی اختیار کئے جائیں کیونکہ مسائل اور حکومتیں محض باتوں کی نسبت عملی اقدامات کے ذریعے پرکھی جاتی ہیں۔ میری حکومت کی نظر میں واضح طریقہ کار ایک طے شدہ ٹائم ٹیبل کی صورت میں ہونا چاہئے' دونوں حکومتیں پابند ہوں کہ اس کے اندر اپنے تنازعات کے حتمی پرامن حل تک پہنچیں۔ مثال کے طور پر ہم کئی مہینوں کے عرصے کا تعین کر سکتے ہیں۔"

.........وغیرہ وغیرہ اور اس کے بعد کہتے ہیں۔

"اگر وہ اس عرصے میں کسی کارروائی میں ناکام رہیں تو مسئلہ خود بخود کسی طے شدہ طریقے کے مطابق ثالثی کیلئے پیش ہو گا۔"

یہ وہ فراست اور طریقہ تھا جس سے آپ ایک ہندو سے معاملہ کر سکتے ہیں لیکن اگر آپ قدم بہ قدم ڈپلومیسی سے معاملات طے کرنے کا معاہدہ کر آتے ہیں اور پھر دونوں طرف سے غفلت اور لاپروائی کا شکار ہو جاتے ہیں تو یہ معاملات حل کرنے کا طریقہ نہیں ہے۔

کشمیر کے بغیر پاکستان نامکمل ہے' کشمیر کے معاملے میں ہماری خاموشی قومی غداری کے مترادف ہے۔ آج جموں و کشمیر میں وہاں کے مسلمان جدوجہد آزادی میں مصروف ہیں' وہ اپنے خون کا نذرانہ پیش کر رہے ہیں' قربانیاں دے رہے ہیں' جیلوں میں جا رہے ہیں لیکن ہم ان کی حمایت میں آواز تک اٹھانے کی جرأت نہیں کرتے۔ دسمبر 1989ء میں راجیو گاندھی ہمارے منہ پر کہہ گیا کہ کشمیر کا مسئلہ کوئی مسئلہ نہیں ہے اور اس وقت ہم سے ایک جملہ ادا نہ ہو سکا پھر اس نے ہمارے منہ پر طمانچہ مارا اور یہ کہا کہ رائے شماری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور شملہ معاہدہ کے بعد اس سے پہلے کئے گئے سارے معاہدے منسوخ ہو گئے اور ہم صرف اتنا ہی کہہ پائے کہ نہیں' آپ کی رائے اور ہے' ہماری رائے اور ہے۔ ہم سے یہ نہ کہا گیا رائے شماری ہی اس کے حل کا واحد راستہ ہے۔

عدم مداخلت

ہندوستان کو پاکستان کے فوجی معاملات میں مداخلت کا کوئی حق نہیں ہے۔ ہم ہندوستان سے اجازت لیکر اپنی ایئرفورس' بحریہ اور فوج کو منظم نہیں کریں گے۔ ہندوستان کا معاملہ یہ ہے کہ وہ ایک طرف تو غیرجانبدار تحریک (NAM) کا ممبر اور غیرجانبدار ملک ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ اس تحریک کے بنیادی اصول دوسرے ملکوں کے معاملات میں مداخلت سے منع کرتے ہیں لیکن وہ امریکہ سے پاکستان کے معاملات میں مداخلت کیلئے کہتا ہے' پاکستان کو میزائل بنانے سے روکنے اور ایٹمی ٹیکنالوجی کے حصول سے باز رکھنے کیلئے کہتا ہے۔ ہندوستان کو اس قسم کی باتوں کا اختیار حاصل نہیں ہے۔ ہم ایک خود مختار ملک ہونے کی حیثیت سے دیکھیں گے کہ ہمارے لئے کیا صحیح اور کیا غلط ہے۔

جاری ہے

04 JAN 1994

روزنامہ خبریں اسلام آباد

○○○ بھارت کے ساتھ دوطرفہ تعلقات ○○○

آخری قسط

ڈیٹرنٹ پالیسی

پاکستان کو لازماً ڈیٹرنٹ پالیسی اختیار کرنی چاہئے ہمارے تحفظ' ہماری بقاء' آزادی اور خودمختاری کا انحصار مناسب ڈیٹرنٹ پالیسی کو پروان چڑھانے پر ہے۔ اگر یہ ہم نہ کر سکے تو تاریخ ہمیں معاف نہیں کرے گی اور وہ قومیں جو اپنے اندر قوت پیدا نہ کر سکیں وہ تاریخ کے اندر زندہ نہیں رہا کرتیں۔ یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے کہ بین الاقوامی تعلقات میں بات چیت کرنے سے پہلے ہی اپنے سارے کارڈ میز پر ڈال دیئے جائیں اور امریکہ کو قسمیں کھا کھا کر اور ناک رگڑ رگڑ کر یہ یقین دہانی کرائی جائے کہ ہم کوئی بم نہیں بنا رہے اور ایٹمی ٹیکنالوجی کو ڈیٹرنٹ میں استعمال نہیں کر رہے۔

کچھ عرصہ قبل انگلستان میں ہماری وزیراعظم صاحبہ نے (اپنے پہلے دور میں) بیان دیا تھا کہ پاکستان اور ہندوستان کو تخفیف اسلحہ کی بات چیت کرنی چاہئے کیونکہ سپر پاورز بھی یہ باتیں کر رہی ہیں۔ سپر پاورز تو یہ بات اس لئے کر رہی ہیں کہ ان کے پاس اسلحہ کے بہت بڑے ذخائر ہیں ان کے پاس جس قدر ایٹمی بم ہیں ان سے وہ دنیا کو پچاس مرتبہ تباہ کر سکتی ہیں۔ اس قوت کے بعد وہ تخفیف اسلحہ کی بات کر رہی ہیں۔ تخفیف اسلحہ کے معنی ایک خاص صورتحال کو برقرار رکھنا ہوتا ہے۔ آج فوجی اعتبار سے ہندوستان کو بالادستی حاصل ہے۔ ہمارے لئے واحد راستہ ہے کہ ہم وہ طریقہ اختیار کریں جس سے ہم بہترین ڈیٹرنس کو پروان چڑھا سکیں اور یہی بہترین فوجی اور نظریاتی پالیسی ہے' اس میں ہمیں لازماً ایٹمی ٹیکنالوجی کو اس مقام تک لے جانا ہے جہاں ہندوستان یا دنیا کی کوئی دوسری طاقت پاکستان پر دست درازی کی جرأت نہ کر سکے۔ اس طرح ہم باقی رہ سکتے ہیں۔

اب ہندوستان کیمیاوی ہتھیاروں میں بھی اس مقام تک پہنچ گیا ہے کہ وہ انہیں دنیا کے دوسرے ممالک کو برآمد کر رہا ہے۔ ابھی ایک جرمن کمپنی کے ذریعے اس نے ایران میں یہ کیمیکل بھیجے ہیں۔ کیمیاوی اور ایٹمی جنگ کے خلاف ہونے کے باوجود بھی ایٹمی' کیمیاوی اور نظریاتی ""ڈیٹرنس (Deterrance) کے بغیر پاکستان اپنی آزادی کا تحفظ نہیں کر سکتا۔ امریکہ اپنے ملک کو اس میدان میں اپنی اجارہ داری برقرار رکھنا چاہتا ہے۔ دوسری جانب جنوبی افریقہ اور برازیل کی ایٹمی ٹیکنالوجی پر کوئی اعتراض نہیں کیا جاتا بلکہ الٹا ان کی مدد کی جاتی ہے۔ ایک رپورٹ کے مطابق اسرائیل نے دو سو ایٹم بم تیار کئے ہیں جبکہ وہ اب ہائیڈروجن بم بنا رہا ہے۔ خود ہندوستان ہائیڈروجن بم بنانے کی طرف جا رہا ہے جبکہ ہم سے اسے ترک کرنے کیلئے کہا جاتا ہے بلکہ یہ یقین دہانی بھی حاصل کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے کہ نہ ہم نے بم بنایا ہے نہ ہمارے پاس ہے اور نہ ہم بنائیں گے۔

پاکستان کو یہ کہنا چاہئے کہ کسی کو ہمیں یہ بتانے کی کہ کس حد تک اپنی ٹیکنالوجی کو بڑھائیں' کوئی حق نہیں ہے' ہمارا مقصد پرامن ہے اور اگر ہمیں اپنے دفاع کیلئے ضرورت ہوگی تو ہم ضرور بنائیں گے' ضرور بنائیں گے اور ضرور بنائیں گے۔

سرحدی حملے

پاکستان کی سرحدوں پر بیرونی مداخلت میں سرفہرست سیاچین کا مسئلہ ہے کہ ہندوستان نے شملہ معاہدے کے بعد دھوکہ دیکر اور ہماری غفلت سے فائدہ اٹھا کر ہمارے لئے اہم حربی اور فوجی اہمیت کے علاقے پر قبضہ کر لیا۔ ہماری فوجوں نے اس کی اس جارحیت کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ اسے مان نہیں لیا' قربانیاں دیں اور کچھ علاقہ واپس لیا اور کچھ نئی چوکیاں قائم کیں۔ اس معاملے میں ہمارے فوجی جوانوں نے جو قربانیاں دی ہیں ان میں سے کچھ کے خطوط اور شہید ہونے والوں کی وصیتیں پڑھ کر ایمان تازہ ہو جاتا ہے۔ آج بھی الحمد اللہ ہمارے ایسے نوجوان ہیں جو اللہ' اس کے دین اور ملک کی خاطر اپنے سے کئی گنا قوت سے لڑنے اور اسے نیچا دکھانے کیلئے تیار ہیں' بلاشبہ سیاچین کے مسئلہ پر بات چیت ہونی چاہئے لیکن یہ واضح رہنا چاہئے کہ سیاچین کی ایک منفرد نوعیت ہونے کے باوجود اس کا حتمی تعلق کشمیر کے مسئلہ سے ہے۔ درحقیقت یہ کشمیر کے مسئلہ کا ہی ایک حصہ ہے۔

سندھ میں مداخلت

سندھ میں ہندوستان کی مداخلت کو بھی نظرانداز نہیں کرنا چاہئے۔ ہندوستان نے مشرقی پاکستان کیلئے بھی ایک منصوبہ بنایا تھا جس کے مطابق 50-1949ء سے ہندو پروفیسروں' کلکتہ کے دانشوروں اور اخبارات نے مشرقی پاکستان کے مختلف عناصر کو متحرک کیا اور نتیجتاً ہمیں سقوط مشرقی پاکستان کے المیہ سے دوچار ہونا پڑا۔ اگر ہماری اس وقت کی حکومتیں صحیح رویہ اور انصاف کی پالیسی اختیار کرتیں' 1970ء کے انتخابات کو مان لیا جاتا اور جس پارٹی کو اکثریتی ووٹ ملے تھے اسے اقتدار منتقل کر دیا جاتا تو شاید یہ المیہ وقوع پذیر نہ ہوتا۔

یہی کھیل اب ہندوستان سندھ میں کھیل رہا ہے۔ مرحوم محمد خان جونیجو صاحب کو داد دینی چاہئے کہ پنجاب کے سوال پر راجیو کے اعتراضات پر انہوں نے اسے بتایا کہ پاکستان کے پاس جنوبی ہندوستان میں راجھستان کے 37 ایسے مراکز کے فوٹو اور اطلاعات ہیں جہاں ہندوستان کمانڈوز اور تخریب کار تیار کر کے سندھ میں بھیج رہا ہے۔ یہ تب کی بات تھی جبکہ بعد میں ہمارا حال یہ ہے کہ ہمارے سیکرٹری اور وزرائے خارجہ معاہدہ کرتے ہیں کہ سندھ اور پنجاب کی سرحدوں پر مشترکہ گشت ہوگی۔ سندھ اور پنجاب کی سرحدیں تقریباً برابر ہیں لیکن پنجاب کے لئے 8 چوکیاں اور سندھ کیلئے صرف دو چوکیاں ہم نے مانی ہیں' کیا ہماری ٹیم کو یہ پتہ نہیں تھا کہ تخریب کار کہاں سے آتے رہے ہیں' کم از کم برابری کی ہی بات منوالی جاتی۔

ہندوستان کے مسلمان

ہندوستانی مسلمان' پاکستان کی تحریک اور مسلم امت کا ایک نہایت اہم حصہ ہیں' ہمیں جمہوریت کا درس دیا جاتا ہے

سینئر پروفیسر خورشید احمد

اور بتایا جاتا ہے کہ ہندوستان دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت ہے لیکن ہم یہ بھول جاتے ہیں کہ جمہوریت میں اچھوتوں اور 15 کروڑ سے زائد مسلمانوں کو جینے کا کوئی حق نہیں ہے۔ یہ 15 کروڑ مسلمان آج بھی کل آبادی کا 14 فیصد بنتے ہیں لیکن ملازمتوں میں تناسب صرف 2 فیصد ہے۔ ان کی مسجدیں محفوظ نہیں ہیں' بابری مسجد کو تباہ کر کے اس جگہ رام جنم بھومی بنائی جا رہی ہے۔ ہندوستان کی پارلیمنٹ میں وزارت داخلہ کی طرف سے بتائے گئے اعداد و شمار کے مطابق ہندوستان میں ساڑھے آٹھ ہزار نسلی فسادات' جنہیں مسلم کش فسادات کہنا زیادہ صحیح ہے ہوئے ہیں۔

لیاقت' نہرو معاہدے میں دیگر مسائل کے ساتھ پاکستان اور ہندوستان میں اقلیتوں کے تحفظ کی ضمانت دی گئی ہے اور ان کی حفاظت کی ذمہ داری حکومتوں پر عائد کی گئی تھی۔ مسلمان دنیا میں جہاں بھی ہوں ان کے ساتھ ظلم کی صورت میں ہم آواز اٹھائیں گے۔ کیا وجہ ہے روس میں یہودیوں کو ملک سے باہر نکلنے کی اجازت نہ ملنے پر ساری دنیا کے یہودی شور مچاتے رہے ہیں اور امریکہ کی حکومت' روس کے ساتھ تجارت کو یہودیوں کے بیرون ملک جانے کی اجازت کے ساتھ مشروط کرتی ہے۔ ہندوستان کا مسلمان ہمارا حصہ ہیں' ہم نے برصغیر میں ان کے ساتھ قیام پاکستان کے لئے مشترکہ جدوجہد کی ہے۔ ان کا حق ہے کہ ان پر ظلم ہو تو ہم ظلم کرنے والوں کے خلاف ان کی جدوجہد میں ان کا ساتھ دیں۔

بھارت کی بالادستی

اس علاقے میں ہندوستان کا ڈرانے' دھمکانے اور چودھراہٹ کے کردار کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ یہ پاکستان کی خارجہ پالیسی کا بنیادی مقصد ہونا چاہئے کہ ہم اس علاقے کے پورے ممالک سے اپنے تعلقات اور معاملات کو ان خطوط پر استوار کریں کہ ہندوستان ان علاقوں پر ظلم نہ کرے۔ بنگلہ دیش کے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے اس کا ہم سب کو بخوبی علم ہے۔ فرخا بیراج کے ذریعے وہاں سیلاب اور قحط کی مصنوعی صورتحال پیدا کی جا رہی ہے۔ یہ ایک سازش ہے جس کے

04 JAN 1994

روزنامہ خبریں اسلام آباد

تحت وہ بنگلہ دیش کے شہریوں کو ہروقت دبائے رکھنا چاہتا ہے اور جب یہ کافی نہیں ہوا تو ہندوستان نے چٹاگانگ کے پہاڑی علاقوں میں اپنے کمانڈوز اور تخریب کار بھیجے۔

نیپال کا ہندوستان کے ساتھ راہداری اور تجارت کا ایک معاہدہ تھا' ہر طرف سے گھرے ہوئے ملک کی حیثیت سے نیپال کو بین الاقوامی قانون کے تحت راہداری کا حق حاصل ہے۔ اس کو روکا نہیں جاسکتا لیکن ہندوستان تجارت اور راہداری کو ساتھ ملاتا رہا ہے جس کیلئے نیپال تیار نہیں ہوا تو جواب میں ہندوستان نے ان کی خوراک' دوائیں اور تیل روک دیا' ہندوستان اور نیپال کا مقابلہ ہی مضحکہ خیز ہے۔

سری لنکا میں ہندوستان نے 1983ء سے تامل باغیوں کو تربیت دینا شروع کر رکھی تھی۔ مدراس میں اس کیلئے تربیتی کیمپ بنائے گئے وہاں سے برابر لوگوں کو بھیجا گیا۔ اندرا گاندھی کے زمانے میں بننے والے منصوبے کو راجیو گاندھی کے زمانے میں آگے بڑھایا گیا' سری لنکا نے اس پر ہندوستان سے اور بین الاقوامی سٹیج پر احتجاج کیا' خود پاکستان نے اس پر احتجاج کیا۔ جب حالات مزید خراب ہوئے تو اس نے اپنے جہاز بھیج دیئے جب کوئی اور چارہ کار نہ رہا تو سری لنکا نے فوجیں منگوائیں ان فوجوں کے ساتھ یہ معاہدہ ہوا کہ وہ سری لنکا کی حکومت کے کہنے پر واپس چلی جائیں گی اور وہ آٹھ دن کے اندر اندر خطے میں امن قائم کر دیں گی لیکن وہ سری لنکا کے مطالبے کے باوجود وہاں سے جانے کیلئے تیار نہیں ہیں۔ یہ وہ رویہ ہے جسے گوارا نہیں کیا جاسکتا' یہ صرف پاکستان کا معاملہ نہیں ہے بلکہ پورے علاقے کا معاملہ ہے۔

ہندوستان سے اس کا ہمسائیوں کے ساتھ رویہ درست ہوئے بغیر معاملات نہیں ہو سکتے اسے اپنا رویہ درست کرنا پڑے گا اور اگر وہ اپنے رویئے اور طور اطوار کی اصلاح نہیں کرتا اور وہ اس علاقے کا چودھری بنتا ہے تو پھر ہماری اس سے کوئی دوستی نہیں ہو سکتی۔

پاکستان دشمن مہم پر معافی

ہندوستان نے ماضی میں پاکستان کے خلاف جو مہم چلائی خصوصیت سے اس نے جس طرح سے "الذوالفقار" کو پیسہ اور دوسرے ذرائع سے مدد دی اور تحفظ فراہم کیا اس پر اسے پاکستان سے اعلانیہ معافی مانگنی چاہئے اور یقین دہانی کرانی چاہئے کہ وہ آئندہ اس قسم کی کوئی حرکت نہیں کرے گا۔

ترجیحات کا تعین

آخری بات یہ ہے کہ ہندوستان اور پاکستان سے تعلقات استوار کرنے میں ایک ترتیب ہونی چاہئے اور وہ ترتیب یہ ہو کہ جب تک ہمارے درمیان سنگین مسائل حل نہیں ہو جاتے ہم کوئی پیش قدمی نہیں کریں گے۔ ہندوستان چاہتا ہے کہ کشمیر کا مسئلہ زیر بحث نہ آئے اور دیگر مسائل پر بات چیت کے نتیجہ میں اسے کشمیر میں اپنے عزائم کی تکمیل کیلئے زیادہ سے زیادہ وقت مل جائے۔ وہ مذاکرات کیلئے اسی وجہ سے تیار ہوا ہے کہ اس طرح اسے وقت مل رہا ہے ہمیں اس صورتحال کو سمجھ کر حکمت عملی اختیار کرنی چاہئے ہمیں یقین رکھنا چاہئے کہ جب تک کشمیر کا مسئلہ کشمیریوں کی خواہش کے مطابق اقوام متحدہ کی قراردادوں کی روشنی میں حل نہیں ہو جاتا بھارت کے ساتھ ہمارے کوئی بھی مذاکرات بے معنی ہیں۔ اس مسئلہ کو نظرانداز کر کے ہمیں ہندوستان کے ساتھ کوئی تعلق اور دوستی قابل قبول نہیں ہے۔ ○